۱۷

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیلِ سلیماں

جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء

نظامیہ دارالاشاعت خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی ۔ مکھڈ شریف (اٹک)

بفیضان

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ

بیادگار

حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

علم و عرفاں کا ترجماں

سہ ماہی کتابی سلسلہ

قندیل سلیماں

جنوری تا مارچ ۲۰۱۸ء

شمارہ: ۱۷

نظامیہ دارالاشاعت

خانقاہِ معلیٰ حضرت مولانا محمد علیؒ مکھڈی ۔ مکھڈ شریف ۔ اٹک

ہدیہ: سالانہ 700 روپے فی شمارہ: 175 روپے

رابطہ : مدیران: 0343-5894737 / 03468506343 / 03335456555

e-mail: sajidnizami92@yahoo.com

فہرستِ مندرجات

گوشۂ عقیدت:

خیابانِ مضامین:

اداریہ

رحمتوں اور برکتوں کا مہینہ رمضان المبارک اپنی تمام تر فیوض و برکات کے ساتھ گزر رہا ہے۔اس میں رحمتوں کے نزول کی وسعتوں سے آگاہی انسانی ممکنات میں سے نہیں۔

حضرت ابو سعود غفاریؓ سے روایت ہے کہ مخبر صادق ﷺ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو ماہِ رمضان کی ساری فضیلتوں اور برکتوں کا پتہ چل جائے تو وہ آرزو کیا کرتے کہ سارا سال ہی ماہِ رمضان رہتا۔(غنیۃ الطالبین)

حضرت عمر فاروقؓ کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے۔کہ جب ماہِ رمضان آتا تو فرمایا کرتے تھے۔

''تمھیں مبارک ہو ایک ایسے مہینے کی کہ جس میں نیکیاں ہی نیکیاں ہیں۔اس کے دِن، روزے ہیں اور اس کی راتیں قیام و تراویح ہیں اور اس مہینے میں خرچ کرنا گویا خدا کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔''

ماہِ رمضان کا ایمان و سلامتی کے ساتھ گزر جانا کیا ہی خوبی ہے۔حضرت انسؓ جناب رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: جب جمعہ کا روز سلامتی کے ساتھ گزر گیا تو گویا (ہفتے کے) سارے دِن سلامتی کے ساتھ گزر گئے اور جب رمضان کا مہینہ سلامتی سے گزر گیا تو (یوں جانیے کہ) سارا سال سلامتی سے گزر گیا۔

O

قندیل سلیماں کا شمارہ ۱۷ پیشِ خدمت ہے۔اس شمارہ میں ''گوشۂ عقیدت'' میں حمد و نعت اور منقبت شامل ہے۔ جب کہ ''خیابانِ مضامین میں'' غلام اصغر کا مضمون ''خواجہ سلیمان تونسویؒ اور ان کے خلفا کی علمی و ادبی خدمات'' ، ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری کا مقالہ ''برصغیر میں برطانوی راج کی مخالفت میں صوفیائے سیال شریف کا کردار'' ، پروفیسر نصیر الدین شبلی مہری کا مضمون ''اعتکاف۔۔۔روحانی سفر کا راستہ'' ، علامہ مفتی آفتاب احمد رضوی کی تحریر ''رمضان المبارک کا تحفہ'' ، علامہ حافظ محمد اسلم کا سلسلۂ مضمون ''تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ '' ، علامہ محمد وارث کی تحریر ''ذکرِ خیر'' ، پروفیسر محمد انور بابر کا سفر نامۂ حج ''انوار الکریمین'' جب کہ فیض محمد کی سفری رُوداد ''سفر نامہ حج'' شامل ہے۔

O

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے تعارف کے حوالے سے راقم کی ایک تحریر ''قندیل سلیماں'' شمارہ ۱۱ میں شائع ہو چکی ہے۔اس ذخیرۂ کتب میں جہاں مطبوعات کی ایک بڑی تعداد موجود ہے وہاں مخطوطات کا بھی ایک علمی ذخیرہ محفوظ ہے۔

مطبوعات کی فہرست مرتب کی جا رہی ہے جو ان شاء اللہ دسمبر ۱۸ء تک شائع ہو جائے گی۔ مخطوطات پر اب تک جناب نذر صابریؒ کی مرتب کردہ ''مختصر فہرستِ مخطوطات فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی'' (جس میں ۲۳۴ مخطوطات کو شامل کیا گیا) کے علاوہ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی مرتب کردہ فہرست ''کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی دے پنجابی خطی نسخے'' (جس میں ۲۷ پنجابی خطی نسخے شامل ہیں) شائع ہو چکی ہیں۔

شمارہ ۱۷ سے ''ذخیرۂ نوادر'' کے عنوان سے مخطوطات کی فہرست شامل کی جا رہی ہے۔ یہ سلسلہ قسط وار شائع ہوگا۔ بعد ازاں اسے یکجا کر کے اشاعت آشنا کیا جائے گا۔ ''قندیلِ سلیماں'' کو صوری و معنوی لحاظ سے مزید سنوارنے کے لیے ایک کوشش کی گئی ہے۔ اہلِ فکر و نظر یقیناً اس سلسلہ میں ہماری رہنمائی فرمائیں گے۔

مدیر

حمد باری تعالیٰ

پروفیسر شوکت محمود شوکتؔ

کرم تیرا کہ تُو مالک! نہاں بخشے ،عیاں بخشے
کمالِ رحمت و قدرت ،جہاں چاہے وہاں بخشے

پہاڑوں کو زمیں پر گاڑ دے بہرِ توازن تُو
سمندر کو تلاطم خیزیاں ، آبِ رواں بخشے

ادھر، سینے کو دِل بخشے کہ جس میں عشق تیرا ہو
اُدھر، حمد و ثنا کے واسطے منہ کو زباں بخشے

تری حکمت ،کہ رکھے نکہتِ گل ان ہواؤں میں
تری عظمت ، گھٹاؤں کو جو تُو برقِ تپاں بخشے

عطا دِن میں کرے مہرِ درخشاں ، میرے مالک تُو
شبِ تاریک میں ماہِ منور ، کہکشاں بخشے

خزاں ہو یا بہاراں ہو، وہ گرمی ہو کہ سردی ہو
ترا جود و کرم تُو نے ہمیں کیا کیا سماں بخشے

تری صناعی شاہد ہے ، تری تخلیق اَحسن پر
نہ شے کوئی عبث پائی ، نہ عالم رائگاں بخشے

تری یہ بے نیازی ، لا مکاں ٹھہرا ہے تُو ، لیکن
ہمیں رہنے کو گھر بخشے ، محل بخشے ،مکاں بخشے

تری تقسیم کو سمجھے بھلا کیا فہمِ انسانی
کسی کو بخش دے بیٹے ، کسی کو بیٹیاں بخشے

جو تیری یاد سے غافل ہیں دِل ، سارے وہ مردہ ہیں
کہ تیرا ذِکر ہی دِل کو حیاتِ جاوداں بخشے

کبھی شاہوں پہ کر دے تنگ اپنی سب عمل داری
کبھی بے آسرا بچے کو تُو شانِ شہاں بخشے

کبھی کچھ دِن کے مہماں کو نویدِ زندگانی دے
کبھی مطلق بھلے چنگے کو مرگِ ناگہاں بخشے

نوازا پہلے آدمؑ کو بہشت و خلد سے یارب!
اُسی آدم کو پھر تُو نے زمیں بخشی ، زماں بخشے

سفینہ نوحؑ کا چلتا رہے طوفان میں ، لیکن
اُسے رُکنے کو ''جودی'' سا کوئی کوہِ گراں بخشے

کبھی یعقوبؑ کو محروم کر دے تُو بصارت سے
کبھی ایوبؑ کو صبرِ جمیلِ بے کراں بخشے

کبھی یوسفؑ کو تختِ مصر دے کر بادشاہی دے
کبھی یوسفؑ کو جنگل میں کوئی اندھا کنواں بخشے

کبھی گل زار کر دے آتشِ نمرود کو فوراً
کبھی موسیٰ کو دُشمن ہی کے گھر میں تُو اماں بخشے

بچالے دار پر عیسیٰ کو اپنی مہربانی سے
محمدؐ کو بلا کر آسماں ، سیرِ جناں بخشے

تری عظمت ، تری شوکت ، بیاں ہو کس طرح ہم سے
کہ تُو اذنِ سخن بخشے، کہ تو حسنِ بیاں بخشے

☆☆☆☆☆

نعت بہ حضور سرورِ کائنات ﷺ

ڈاکٹر عبدالعزیز ساحرؔ

اگر میں ہوں تو تیری چشمِ اعتبار میں ہوں
وگرنہ کون ہوں میں اور کس شمار میں ہوں

ترا خیال مری زندگی کا محور ہے
ترے خیال کے باعث تو میں بہار میں ہوں

کبھی کبھی تو میں ایسے بھی خواب دیکھتا ہوں
کہ خاک جسم پہ اوڑھے ترے دیار میں ہوں

کبھی تو خواب کے لمحوں میں آپ اُتریں گے
ازل کے روز سے مولا اس انتظار میں ہوں

ترے سہارے زمانے سے جنگ کرتا ہوں
اُداس شام کا منظر ہے میں حصار میں ہوں

☆☆☆☆

منقبت حضرت خواجہ قبلۂ عالم نور محمد مہاروی

خواجہ غلام فریدؒ

ساڈا دوست دِلیندا
نور محمد خواجہؒ

ڈھولا یار چھیندا
نور محمد خواجہؒ

ساڈے سارے شرم بھرم دا
تیڈے گل وِچ لاجا

عرب وِی تیڈی عجم وِی تیڈی
سِندھ ' پنجاب دا راجا

زَمَن زمیں وِچ وَجدا گجدا
فیض تیڈے دا وَاجا

قدم تیڈے وِچ نوں من بھاگے
اَنگن میڈے پَوں پاجا

دِلبر جانی ، یوسف ثانی!
موہن مُکھ ڈِکھلا جا

تُو شِہہ ، شہر مُہار دا بَنْرا
سِکدی کو گل لا جا

نین ، فریدؔ دے درس پیاسے
آجا ناں ترسا جا

☆☆☆☆

خواجہ سلیمان تونسویؒ اور ان کے خلفا کی علمی وادبی خدمات

غلام اصغر☆

حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسویؒ ۱۸۶۴ء کو گڑگوجی تحصیل موسیٰ خیل ضلع لورالائی میں پیدا ہوئے۔ گڑگوجی تونسہ شریف سے ۶۰ میل کے فاصلے پر واقع ایک پہاڑی مقام ہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم گڑگوجی میں حاصل کی۔ آپ نے قرآنِ مجید بھی یہاں سے حفظ کیا۔ اس کے بعد آپ تونسہ شریف اور لانگھ (تونسہ سے ۱۰ میل کے فاصلہ پر) میں مولوی حسن علی اور میاں ولی محمد ارائیں سے فارسی کی کتابیں پند نامہ عطار، گلستانِ سعدی پڑھتے رہے اور اس کے بعد آپ قاضی محمد عاقل کے مدرسے میں کوٹ مٹھن آ گئے۔ قاضی محمد عاقل نے کوٹ مٹھن میں ایک اعلیٰ پائے کا مدرسہ قائم کیا ہوا تھا۔ جس میں فقہ، حدیث اور تصوف کی تعلیم دی جاتی۔ ان دنوں جب آپ کوٹ مٹھن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ اوچ شریف آئے ہوئے تھے۔ قاضی محمد عاقل صاحب اپنے خلفا اور شاگردوں کے ہم راہ آپ کی زیارت کو اوچ شریف تشریف لے گئے۔ تو خواجہ شاہ محمد سلیمان بھی ان کے ساتھ موجود تھے۔

آپ اوچ شریف میں قبلہ عالم کے دامن گرفتہ ہوئے اور پھر بس ان کے ہو رہے۔ آپ قبلہ عالم کے وصال کے نو ماہ بعد اپنے وطن گڑگوجی آئے اور یہاں درس وتبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ آٹھ سال تک اپنے وطن پہاڑ مقیم رہے۔ ۱۷۹۹ء میں تونسہ شریف تشریف لے آئے۔ تونسہ اس وقت ایک بے آب وگیا خطہ تھا۔ اس وقت اس کی آبادی صرف ایک سو گھروں پر مشتمل تھی۔ یہاں چچ بھٹے اور شیرانی آباد تھے۔ سماجی اور علمی لحاظ سے یہ خطہ ہندوستان کے پسماندہ ترین خطوں میں شمار ہوتا تھا۔ ڈیرہ غازی خان کا علاقہ اگرچہ ملتان کے ساتھ متصل تھا اور ان کے درمیان کوئی زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ مگر علمی لحاظ سے دیکھا جائے تو ملتان ڈیرہ غازی خان سے صدیوں پہلے علم وادب کا مرکز نظر آتا ہے۔ لیکن یہ علاقہ علم سے خالی۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ملتان اور ڈیرہ غازی خان میں دو دریا دریائے سندھ اور دریائے چناب حائل تھے۔ ان دریاؤں کی طغیانیوں نے یہاں کے باسیوں کو علم سے محروم رکھا۔ دوسرا یہاں کے حکمرانوں کو علم سے دلچسپی نہیں تھی۔ جب کہ ملتان کے حکمران ہمیشہ علم کے دیوانے رہے۔ لنگاہ حکمرانوں نے ملتان میں علم وادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔

ڈیرہ غازی خان کے غازی خاندان جن کو حکومت لنگاہ خاندان کی عطا کردہ تھی۔ علمی سرگرمیوں میں کوئی زیادہ فعال نظر نہیں آئے۔ ڈاکٹر شکیل پتافی ''جنوبی پنجاب کی اردو شاعری'' میں لکھتے ہیں۔ نہ تو کوئی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ڈیرہ غازیخان

☆ پی ایچ ڈی اسکالر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کے حکمران نے علماء کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی اور نہ ہی کوئی کسی حکمران کے ہاتھوں کسی مدرسے کے قیام کا پتہ دیتا ہے۔ [1]

حکمرانوں کی علم سے عدم دلچسپی اور علم ناشناسی کے اِس بڑے خلا کو خواجہ شاہ سلیمانؒ تونسوی نے پُر کیا۔ آپ ایسے دور میں یہاں تشریف لائے جب ہندوستان میں افراتفری اور طوائف الملو کی کا دور دورا تھا۔ آپ سترھویں صدی کے آخر اور اٹھاویں صدی کے شرح بانصف کے مصلحین میں ہیں۔ یہ وہ دور ہے جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر تھی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے پاؤں مضبوط کر چکی تھی۔ پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی۔ اس دور میں سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل نے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف جہاد کا اعلان کیا؛ تو وہ غوثِ زمان شاہ سلیمانؒ کے پاس تونسہ شریف بھی آئے اور آپ کو جہاد کرنے پر قائل کرتے رہے مگر آپؒ نے تلوار کے ذریعے جہاد کی بجائے علم کے ذریعے جہاد کو ترجیح دی۔

برصغیر میں اسلام اور علم صوفیا نے پھیلایا۔ آپ ہندوستان کے کسی خطے میں چلے جائیں آپ کو ہر علاقے میں صوفی کی خانقاہ ضرور ملے گی اور صوفی کی خانقاہ ہمیشہ علم و عمل کا مرکز رہی۔ صوفی کا مقصد اسلام کی ترویج ہے۔ علم کے بغیر اسلام کی ترویج ممکن ہی نہ تھی بل کہ اسلام کی ابتدا ہی ''اقراء'' سے ہوئی۔ لہٰذا خواجہ سلیمان تونسویؒ نے سلسلہ صوفیا میں بالعموم اور سلسلہ چشتیہ بالخصوص کی علمی روایت کے تسلسل کو آگے بڑھاتے ہوئے تونسہ شریف میں علم کی شمع روشن کی۔ چراغ سے چراغ جلتا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے آپ کی کرامت سے تونسہ شریف کا بے علم خطہ علمی لحاظ سے زرخیز ترین اور یونانِ صغیر کہلانے لگا۔ آپ نے تونسہ شریف میں مدرسہ کی بنیاد رکھی۔ اس مدرسہ نے تھوڑے ہی عرصے میں ایک بڑی درس گاہ کی شکل اختیار کر لی۔ جس میں سینکڑوں طالب علم تعلیم حاصل کرنے لگے۔ اس مدرسے کی شہرت چند ہی دنوں میں آسمان کو چھونے لگی اور دور دور سے علم کے متلاشی آپ کی درس گاہ کی طرف کھنچے چلے آتے۔ آپ کے مدرسے میں طالب علموں کو اور اساتذہ کو رہائش، کھانا اور دوسری ضروریاتِ زندگی کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا تھا۔

مولوی الف ب بلوچ ''خاتمِ سلیمانی'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس نقارہ کی آواز پنجاب، ممالکِ متحدہ، راجپوتانہ سے گزر کر جزیرہ سراندیپ اور عدن تک پہنچی اور افغانستان، بلوچستان، ترکمانستان سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے اور ہزاروں طالبانِ حق سینکڑوں کوس طے کر کے تحصیل فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے۔ یہ نام ہی کچھ غیر موزوں تھا مگر

آہن که بپارس آشنا شد فی الفور بصورت طلا شد

جب لوہا پارس کو لگتا ہے تو وہ فوراً سونا بن جاتا ہے ۲؎

اس مدرسے میں بڑے جید عالم اور فقہی درس دیتے تھے۔ اس مدرسہ میں تفسیر، حدیث، فقہ، سائنس، فلسفہ اور مقدمہ کی تعلیم دی جاتی۔

ڈاکٹر روبینہ ترین خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کی تونسہ تشریف آوری کے بعد تونسہ شریف کی معاشرتی، اقتصادی اور ثقافتی زندگی کا تذکرہ اپنی کتاب ''ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیا کرام کا حصہ'' میں یوں کرتی ہیں:

''جب تونسہ شریف کی آبادی بڑھتی گئی تو مریدین اور طالبانِ علم نے آنا شروع کیا تو خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ نے مشائخ کی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے دورِ تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور اس مقصد کے لیے دینی مدرسہ قائم کیا اس دور میں مسلمان خصوصاً سیاسی، معاشرتی اقتصادی اور ثقافتی طور پر پسماندہ زندگی گزار رہے تھے اور ایسے موقع پر ضرورت اس بات کی تھی کہ ایسے دینی مدارس قائم کیے جائیں جہاں اسلامی روح اور اسلامی ثقافت کو برقرار رکھے اور مسلمانوں کو مزید زوال سے روکنے کے لیے اسلامی علوم کا احیاء کرے''۔ ۳؎

آپ کے مدرسے میں دو ہزار طالب علم تعلیم حاصل کرتے تھے اور پچاس سے زیادہ علما تعلیم دیتے۔ آپ کے دور میں یہ علما تعلیم دیتے۔

(۱) مولانا احمد تونسوی

(۲) مولانا محمد حسین پشاوری

(۳) مولانا محمد عمر ملغانی

(۴) مولانا خدا بخش صابر

(۵) مولانا احمد یار

(۶) مولانا امام الدین

(۷) مولانا شیخ احمد

(۸) مولانا الٰہی بخش

(۹) مولوی خدا بخش بغلانی چوہان

خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ نے صرف ایک مدرسہ قائم نہ کیا بل کہ تونسہ شریف اور گردونواح میں بیسوں مدارس قائم کیے۔ان مدارس کی نگرانی اوران کے تمام اخراجات خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے لنگر سے ادا ہوتے۔یہ مدارس اپنے دور میں بہت بڑے فلاحی منظم ادارے تھے۔ان مدارس میں طلبا کومفت تعلیم دی جاتی اوران کی رہائش خوراک وغیرہ کے ہمہ قسمی اخراجات کی ذمہ داری آپ پرتھی۔آپ طلبا کو کتابیں، کپڑے اور دوائیاں تک فراہم کرتے۔

مولوی صالح محمد ''حیاتِ سلیمان'' میں لکھتے ہیں:

> ''اس چھوٹے سے گاؤں میں بیسوں حلقہ درس قائم تھے جن میں دینیات کی ابتدائی اور انتہائی تعلیم کا انتظام تھا۔اساتذہ اور طالبعلم کے تمام اخراجات کا بوجھ صرف آپ پرتھا۔ بحساب اوسط ڈیڑھ ہزار طالب علم صبح وشام آپ کے خوانِ کرم سے پیٹ بھرتے تھے۔ کپڑا، مالش اور مطالعہ کے تیل گھی کا خرچ، کتب درسی کا خرچ اس کے علاوہ تھا۔حجامت کے لیے حجام اور علاج معالجہ کے لیے تنخواہ دار حکیم مقرر تھے۔اس زمانے کی ضروریات کے مطابق علماء کوان کی عزت اور قدرِ مراتب کا خیال کر کے معمولات ملتے تھے۔جو ان کے تمام کنبہ کے لیے مکتفی ہوتے تھے۔نقد اور جنس سے ان کی قدردانی مزید برآں تھی۔ خاص صورتوں میں شادی کے لیے نقد روپیہ اور عروس کے لیے کپڑے اور زیور بھی دربار سلیمانی سے عطاء ہوتے تھے۔یہاں تک بس نہ تھی بلکہ ان سے ذہین اور ہونہار طلباء کو منتخب کر کے دور دور بھیجتے تھے تا کہ وہاں سے بے بدل عالم بن کر اپنے فیض سے دنیا کو مستفید کریں۔یہ سب چھوٹے بڑے درس آپ کی نگرانی میں چلتے تھے۔حقیقت میں آپ نہ صرف اِن درسگاہوں کے معظم اعلیٰ اور مدیر تھے بلکہ عبادت اور معمولات سے آپ کا جتنا وقت بچ رہتا درس وتدریس میں صرف فرماتے''۔ [۴]

آپ علما کی قدردانی کرتے اور علم کوتلوار سے تشبیہ دیتے۔آپ نے طالب علموں کی تعلیم وتربیت پر خاص طور پر توجہ دی۔یہاں آنے والے طلبہ کی علمی واخلاقی اور معاشرتی ہر طرح سے تربیت کی جاتی تا کہ یہ لوگ اپنے عمل اور اخلاق سے دوسروں کو متاثر کریں کیوں کہ انھیں مدارس کے تربیت یافتہ لوگ نہ صرف ہندوستان بل کہ دنیا کے مختلف حصوں میں جا کر مسلمانوں کے علم واخلاق کی تربیت کرتے۔

آپ کی درس گاہ میں دینی علم کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم بھی سکھائے جاتے تا کہ علم حاصل کرنے کے بعد وہ روزی بھی کما سکیں۔اس لیے ان کے مدرسے میں لکڑی کا کام سکھایا جاتا۔قرآن مجید کے رحل اور لکڑی کی کنگھیاں بنانا بھی سکھایا جاتا۔

تونسہ شریف میں آج تک لکڑی کی کنگھیاں بنائی جاتی ہیں۔اس کے علاوہ پارچہ بافی، سرمہ ڈالنے کی سلائیاں اور طب کی تعلیم بھی دی جاتی۔آپ کی تبلیغ سے ایک لاکھ غیر مسلم مسلمان ہوئے۔آپ ؒ۱۷۹۹ء میں تونسہ شریف آئے اور ۱۸۵۰ء تک درس وتدریس کا سلسلہ بھرپور طریقہ سے چلتا رہا تھا۔یوں نصف صدی سے زیادہ کا عرصہ تونسہ شریف میں رہ کر علم ودانش کے چراغ روشن کیے۔

آپ کے درج ذیل ملفوظات آپ کے مریدوں نے جمع کیے۔

۱)	راحت العاشقین (فارسی)	مرتب:	مولوی محمد بن موسیٰ درزی
۲)	رسالہ در مسائل فقہ (فارسی)	مرتب:	مولوی عبدالغفار
۳)	ملفوظات خواجہ محمد سلیمان (فارسی)	مرتب:	مولوی غلام حیدر
۴)	مناقب شریف (فارسی)	مرتب:	حافظ احمد یار (پاک پتن)
۵)	نافع السالکین (فارسی)	مرتب:	مولانا امام الدین
۶)	مناقب المحبوبین (فارسی)	مرتب:	نجم الدین سلیمانی
۷)	انتخاب مناقب سلیمانیہ (فارسی)	مرتب:	مولوی یار محمد ساکن بستی بنڈی تونسہ شریف
۹)	مناقبِ سلیمانی (فارسی)	مرتب:	غلام محمد خان
۱۰)	تذکرۃ المشائخ (اردو)	مؤلف:	محمد بخش بھنڈی
۱۱)	خاتمِ سلیمانی (اردو)	مؤلف:	اللہ بخش بلوچ
۱۲)	سیرتِ سلیمان (اردو)	مؤلف:	مولوی صالح محمد
۱۳)	حیاتِ سلیمان (اردو)	مؤلف:	مولوی صالح محمد
۱۴)	منتخب الاسرار (اردو)	مؤلف:	خدا بخش چوہان تونسوی مترجم مولانا اللہ بخش رضا

آپ کے خلفا، مرید اور سجادہ نشینوں نے بھی علمی کام کو جاری رکھا۔آپ کے خلفا کی بے پناہ علمی خدمات ہیں۔آپ کے جانشینوں میں خواجہ اللہ بخش ؒ اور خواجہ محمود نے درس وتدریس کے سلسلے کو جاری رکھا۔گل محمد چشتی جو آپ کے مریدین میں سے تھے۔انھوں نے فارسی میں شیخ المومنین، گلزارِ فریدی تحریر کی۔سرائیکی میں تصوف نامہ، وصیت نامہ، دھوبی نامہ، قصہ لیلیٰ مجنوں تحریر

کیا۔ پروفیسر سجاد حیدر پرویز سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ میں لکھتے ہیں:

''زبان کی سلاست، حلاوت، روانی، تشبیہات کی سادگی و پُرکاری اور تخیل کی پختگی قابلِ تعریف ہے۔ عام طور پر ان کی سرائیکی زبان پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ وہ سرائیکی کی علمی ادبی زبان کو عوامی سطح پر لے آئے مگر دیکھا جائے تو کسی شاعر کا عوامی زبان میں لکھنا لسانی معراج ہے۔ اُردو میں ہمارے سامنے نظیر اکبر آبادی اس کی ایک مثال ہیں''۔ ۵

ڈاکٹر روبینہ ترین ملتان کی ادبی و تہذیبی زندگی میں صوفیائے کرام کا حصہ میں لکھتی ہے کہ:

''فقیر محمد عارف ولد محمد عثمان جو خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کا مرید تھا نے سرائیکی اور اُردو زبان کے دو سفرنامے، حج کے بارے میں لکھے جو سرائیکی اور اُردو دونوں زبانوں کے حج کے پہلے سفرنامے ہیں''۔

پروفیسر سجاد سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ میں لکھتے ہیں:

''لال سونہارا (بہاولپور) کے شمال مغرب میں واقع بستی بونگا رمضان کے باسی فقیر محمد عارف کا سفرنامہ درس مقدس ''کوہِ غم'' کے نام سے سرائیکی کا پہلا منظوم سفرنامہ ہے''۔

مولوی احمد یار تونسوی نے ''قصہ یوسف زلیخا'' لکھا۔

سجاد حیدر لکھتے ہیں:

''مولوی احمد یار تونسوی بستی جندو میرانی تحصیل تونسہ شریف کے بلوچ تھے۔ (مولوی عبدالحکیم اُچوی) کے بعد ان کا قصہ سرائیکی کا دوسرا مکمل اور اہم قصہ ہے''۔ ۶

اس دور میں اس خطے کا ایک اور عظیم شاعر پیدا ہوا۔ جس نے دوہے لکھنے میں اپنا نام روشن کیا۔ وہ ہے خیر شاہ، خیر شاہ ۱۸۱۴ء کو پیدا ہوا اور ۱۹۰۴ء میں وفات پائی۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی اس کے کلام کو جمع کر کے منصۂ شہود پر لائے۔ ڈاکٹر طاہر تونسوی ''خیر شاہ دا کلام'' کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) ''خیر شاہ کا زمانہ وہ ہے جس وقت سامراجی قوتیں اسلام کو مٹانے کے لیے سرگرم تھیں لیکن ان کے مقابلے میں اللہ کے نیک بندے کام کر رہے تھے۔ تونسہ شریف میں خواجہ اللہ بخشؒ، کوٹ مٹھن میں خواجہ غلام فریدؒ، ملتان میں حضرت حافظ جمال ملتانیؒ، کوٹ ادو میں حضرت عبدالعزیز پرہاروی کے علم، تصوف اور بزرگی کا چرچا تھا۔ اس وقت یہ صوفیا

اسلام کے بہت بڑے مبلغ تھے۔ یہ تمام بزرگ خیر شاہ کے ہم عصر تھے"۔

الف اللہ وچ مسجد دے اساں پڑھن قرآن گیوسے

پہلی پئی تختی دے وچ پکڑ استاد گھِدوسے

زیر زبر پیش اگوں سارا صحیح حرف پچھوسے

کھڑی مدی مد درازی کوشش چھک چھکیوسے

ڈو زیراں اِن بَن اِن دِن اُن بُن سبق پکیوسے

وت جزمی تختی دے وچ حاصل راز تھیوسے

کل جزمی یاری یار دا سارا رنگ ڈِھٹوسے

نوں بھی شدی تختی دے وچ حاصل راز تھیوسے

کل جزمی اب تے اُو سب تکرار کیتوسے

حاصل خیر تھیوسے قیدہ جو قرآن تمام پچھوسے

خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ شاعر نہیں تھے، لیکن اعلیٰ ادبی ذوق رکھتے تھے۔ آپ کی محفل میں جو علماً بیٹھتے وہ عالم وشاعر تھے۔ آپ عمدہ اشعار سنتے تھے اور ان اشعار کو سن کر آپ پر وجد طاری ہو جاتا۔

مولوی صالح محمد سیرت سلیمانؒ میں لکھتے ہیں:

"آپ شاعر نہیں تھے اور نہ ہی ان کا کوئی دیوان ہے تاہم عمدہ شعر سے آپ کو دِلی رغبت تھی۔ بہت پیچیدہ اشعار اور غزلیں آپ کو یاد تھیں جو احسن موقعوں پر بولتے"۔

آپ کو بہت سے اشعار ہندی، عربی اور فارسی کے یاد ہوتے' جو ہر موقع آپ کی زبان سے جاری ہو جاتے۔ بعض اوقات آپ ان اشعار کو ذوق میں آ کر مدھر سر میں الاپنے لگ جاتے۔ اگر چہ آپؒ شاعر نہیں تھے لیکن مولوی صالح محمد نے سیرت سلیمانؒ میں آپ کی دو رُباعیات اور ایک مناجات دی ہے۔

اے خداوند خدا بنُما مرا — وحدت اندر کثرت بنُما مرا

رندم و مستم زِ رندی بے خودم — آں چہ رنداں ہے کنند بنُما مرا

محمد نغزی بجندی پشاور اکبر پور کا باشندہ تھا۔ مولوی محمد عمر ملغانی کا شاگرد تھا۔ بہت بڑے پائے کا منجم اور عدیم المثال

شاعر تھا۔ نغزی تخلص کرتا تھا۔ عین عالم شباب میں راہی ملک بقا ہوا۔ موت نے مہلت نہ دی، ورنہ آسمانِ شہرت پر ستارہ بن کر چمکتا۔ اب بھی اس کا کلام شہادت دیتا ہے کہ وہ بلند پروازی میں متقدمین قصیدہ گو انوری اور خاقانی سے کسی صورت کم نہیں۔ مولوی صالح محمد نے محمد نغزی پشاوری کے تین قصیدے جو خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ اور ان کے روضۂ اطہر کی شان میں ہیں، بھی سیرتِ سلیمان میں درج کیے ہیں۔ یہ قصیدے آپ کے روضہ اطہر پر کندہ ہیں۔ ۷

مولوی صالح محمد نے سیرتِ سلیمانؒ اور حیاتِ سلیمانؒ میں خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کی علمی خدمات پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ وہ خواجہ شاہ سلیمانؒ کی برکات اور فیض رسانی کا ذکر یوں کرتے ہیں:

> ''اللہ اللہ! اس چشمہ آب حیات سے کس قدر پیاسوں نے اپنی پیاس بجھائی۔ صاحب ہمت و صاحب استعداد منزلیں طے کر کے آئے اور ہندوستان کا کون سا شہر ہے، جہاں اس چشمے کا فیض نہ پہنچا ہو۔ پنجاب دوڑا، صوبہ سرحد بھاگا، سندھ بھاگا، الغرض پشاور، کلاچی، مکھڈ شریف، راولپنڈی، سیال، ابوہر، جھجھر، گلبرکہ، اجمیر شریف، کلکتہ اور برما تک لوگ اپنے اپنے جام صراحیاں اور جھجھر بھر کر لے گئے۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس خزینۂ رحمت کو جس قدر ہندوستان نے لوٹا۔ اہلِ وطن کے حصہ میں کم آیا۔ ہاں چشمۂ رحمت بدستور یہاں موجود ہے''۔ ۸

اس کے علاوہ مدرسہ محمودیہ کے ایک مدرس مولانا احمد بخش صادق جو خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مرید تھے۔ انھوں نے قرآنِ مجید کا ترجمہ سرائیکی زبان میں کیا۔

مولانا احمد بخش صادق ۱۲۶۲ھ میں ڈیرہ غازی خان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے آباؤ اجداد بنوں سے نقل مکانی کر کے ڈیرہ غازی خان آ گئے تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے نانا مولوی رحمت اللہ سے حاصل کی۔ مولوی رحمت اللہ خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے مریدِ خاص تھے۔ مولوی احمد بخش صادق خواجہ محمود صاحب کے مدرسے کے مہتمم بھی رہے اور کئی سال اس مدرسے میں تعلیم دیتے رہے۔ آپ کو عربی پر عبور حاصل تھا۔ آپ نے عربی زبان میں ایک قصیدہ لکھ کر اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلویؒ کی خدمت میں بھیجا اور استدعا کی کہ اپنے قصیدہ کا پہلا شعر اپنے ہاتھ سے تحریر فرمادیں۔ چناں چہ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا بریلویؒ نے آپ کے کلام کی اصلاح کی اور آپ کی خواہش کی تکمیل کی۔ آپ کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ ''ارضا الجواد الکریم'' آپ کی مشہور تصنیف ہے۔ آپ نے سب سے پہلے قرآن مجید کا سرائیکی میں ترجمہ کیا۔ آپ نے ۱۹۴۵ء میں وفات پائی۔ ۹

اس کے علاوہ مولوی خدا بخش صابر جن کا تعلق بستی ڈمرہ، تونسہ شریف سے تھا، انھوں نے ''نصاب ضروری'' تحریر کی جو فارسی زبان سکھانے کی بہترین کتاب ہے۔ مولانا خدا بخش صابر کی یہ کتاب فارسی زبان سیکھنے کے لیے انمول کتاب ہے یہ

سرائیکی زبان کے ذریعے شعروں میں فارسی سکھانے کے لیے لکھی گئی۔اس میں ۲۴۰۰ فارسی الفاظ دیئے گئے ہیں۔یہ کتاب ڈاکٹر محمد بشیر انور ابوہری ملتانی نے ڈاکٹر طاہر تونسوی کی معاونت سے سرائیکی ادبی بورڈ ملتان سے ۲۰۰۳ء میں دوبارہ شائع کروایا۔وہ نصاب ضروری کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

> مولانا خدا بخش جراح صابر تونسوی تیرھویں صدی ہجری کے آغاز میں فارسی اور عربی زبان کے جید عالم تھے۔اُنھوں نے مقامی زبانوں کے ذریعے شعروں میں فارسی زبان سکھانے کے لیے ۱۲۱۲ھ میں ایک عظیم الشان کتاب ''نصاب ضروری'' کے عنوان سے تصنیف کی۔اس کی مقبولیت کا یہ عالم رہا کہ یہ کتاب لاہور اور دہلی سے شائع ہوئی اور اب بھی متداول ہے''۔ ۱۰

اس سرائیکی فارسی لغت کا نمونہ درج ذیل ہے:

دشت بیاباں صحرا جنگل بیشہ جھر چنگال ہے چنگل
ریگ ریت خاک مٹی گلوخ ڈلھ گم شدہ پھٹی

مولوی صالح محمد ادیب تونسوی حضرت خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ اور ان کی محفل میں بیٹھنے والے علما کے علمی و ادبی ذوق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''عموماً دیکھا گیا ہے کہ فقہ اور تفسیر کے علماء کا شعر کا مذاق کم ہوتا ہے لیکن آپ کے دربار کے بیشتر عالم ایسے تھے۔جو شعر کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے اور بعض خود لکھتے تھے۔مولوی محمد حسین پشاوری تاریخ نویسی اور بدیہہ گوئی میں مشہور تھے۔مولانا خدا بخش صابر ''نصاب ضروری'' کے مؤلف صاحب دیوان بزرگ تھے۔واقعاتِ کربلا کو نظم کیا۔''روضۃ الصابرین'' کے نام سے ان کی مثنوی بے بدل ہے۔انھوں نے اپنے بیٹوں کے نام رسالہ (وصایا) لکھا۔جس میں گلستانِ سعدی کے باب ہشتم کی طرح نصائح ہیں مگر ایک ایک وصیت ادبی اعتبار سے موتیوں کا تول ہے''۔ ۱۱

آپؒ کے تمام خلفا نے اپنے اپنے علمی مراکز قائم کئے اور علم کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا۔آپ کے ایک خلیفہ مولانا محمد علی مکھڈی نے مکھڈ شریف ضلع کیملپور [حال اٹک] میں مدرسہ قائم کیا۔آپ فارسی و پنجابی کے شاعر تھے۔ان کے ملفوظات،''تذکرہ المحبوب'' کے نام سے فارسی اور''تذکرہ الولی'' کے نام سے اُردو میں چھپ چکے ہیں۔

اس کے علاوہ آپ کے ایک خلیفہ خواجہ شمس الدین سیالوی جنھوں نے آپ کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔انھوں

نے بہت سی علمی خدمات انجام دیں۔ان کے ملفوظات ''مراۃ العاشقین'' کے نام سے چھپ چکے ہیں اوران کی سوانح ''انوار شمسیہ'' کے نام سے امیر بخش نے مرتب کی ہے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی آپ کے خلیفہ تھے۔ پیر مہر علی شاہ گولڑوی نے گولڑہ شریف میں علمی خدمات انجام دیں۔ آپ پنجابی اور اُردو کے اچھے شاعر تھے۔ آپ کا کلام ''پنج گنج عرفان'' کے نام سے چھپ چکا ہے۔ خواجہ محمودؒ کے ساتھ آپ کے خطوط ''مکتوباتِ طیبات'' میں شامل ہیں۔

آپ کے ایک خلیفہ خواجہ نجم الدین سلیمانی نے راجپوتانہ (انڈیا) میں ایک خانقاہ قائم کی اور یہ خانقاہ علم وادب کا مرکز رہی۔ آپ اُردو اور فارسی کے صاحبِ دیوان شاعر تھے۔ آپ نے اُردو اور فارسی میں بہت سی کتابیں تحریر کیں۔ فارسی میں دیوانِ نجم، راحت العاشقین، شجرۃ العارفین، شجرۃ المسلمین، نجم الہدایت، مناقب الحبیب اور اُردو میں ''دیوانِ نجم'' اردو افضل الطاعت، بیان الاولیا، تذکرۃ الواصلین، حیات العاشقین، سماع السامعین، گلزارِ وحدت، نجم الآخرہ اور فضیلتِ نکاح تصنیف کیں۔

نجم الدین خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کے مرید تھے وہ راجپوتانہ سے ہر سال آپ کی زیارت کے لیے تونسہ شریف آتے تھے۔ انھیں خواجہ سلیمان تونسویؒ سے والہانہ عشق تھا۔ وہ اپنی شاعری میں خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ اور سنگھڑ (سرزمین تونسہ سنگھڑ کہلواتی ہے) کو بڑے پیار اور چاہت سے یاد کرتا ہے۔ ان کی شاعری کا نمونہ:

لگا ہے مجھ کو پیارا دوستو! نام سنگھڑ کا
رکھوں یوں وِرد میں ہر صبح و شام سنگھڑ کا

شہیدِ عشق سے پوچھو کوئی تعریف سنگھڑ کی
کہ اس نے دیکھ لیا ہے ذائقہ صمصام سنگھڑ کا

زُلیخا کی طرح دیوانہ وار پروانہ ہو جائے
جو کوئی دیکھ لے چہرہ میرے گل فام سنگھڑ کا

بلایا ہے تجھے اے نجم دیںؔ محبوب نے تیرے
اب باندھ لو جلدی سے تم احرام سنگھڑ کا

آپ کے جانشینوں نے بھی علمی کام کی ہمیشہ سرپرستی کی۔ خواجہ اللہ بخش، خواجہ محمود اور خواجہ نظام الدین نے ہمیشہ علم کی سرپرستی کی۔ آپ کا تونسہ شریف میں قائم کیا ہوا مدرسہ ایک عظیم عملی درسگاہ کی صورت ہمیشہ علم کی روشنی پھیلاتا رہا اور جو آج تک قائم ودائم ہے۔

سلسلہ چشتیہ کے ایک اور بزرگ حضرت سید جان احمد شاہ مجروح گیلانیؒ جو خواجہ اللہ بخش تونسویؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اردو اور سرائیکی کے شاعر تھے ان کا دیوان ''بحر الغراق'' ۱۳۱۰ھ مطابق ۱۸۹۰ء میں تالیف ہوا اور ۱۹۱۹ء میں آگرہ (انڈیا) سے شائع ہوا۔ ان کا مزار اللہ آباد (ضلع رحیم یار خان) میں ہے۔ ان کا سالانہ عرس ہر سال ۲۷ رمضان المبارک کو تاریخی قصبہ اللہ آباد میں منایا جاتا ہے۔

خواجہ شاہ سلیمان تونسویؒ کی ان روحانی دینی اور علمی خدمات کی وجہ سے ہندوستان بھر کے فرماں روا آپؒ سے دلی محبت اور عقیدت کا دم بھرتے تھے۔ والئ سنگھڑ، اسد خان اور مسو خان آپ کے عقیدت مند تھے۔ والئ بہاولپور ہمیشہ آپ کے عقیدت مند رہے۔ نواب بہاول خان ثالث (۱۸۲۵۔۱۸۵۲ء) آپ کا مرید تھا اور وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا ہے۔ اس کے علاوہ شاہ شجاع درانی امیر افغانستان اور امیر دوست محمد خان بارک زئی امیر افغانستان آپؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے۔

بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار ہندوستان بھی آپ کا عقیدت مند تھا۔ ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر صاحب صدر شعبہ اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد نے بہادر شاہ ظفر کے دو فارسی خطوط جو انھوں نے خواجہ شاہ محمد سلیمان کے نام لکھے۔ ان خطوط کا اُردو ترجمہ کر کے تحقیقی وتنقیدی مجلّے معیار میں ''بہادر شاہ ظفر کے دو نادر اور غیر مطبوعہ خط'' کے نام سے شائع کیے ہیں۔ اصل خط فارسی میں ہیں۔ ان خطوط سے بہادر شاہ ظفر کی آپ سے عقیدت اور مودت چھلکتی ہے۔ وہ ایک خط میں اپنی عقیدت کا اظہار یوں کرتے ہیں:

> ''بایں ہمہ فقیر کی تمنا یہ ہے کہ حضرت صوفیاء کے معمولات اور اشغال پر عمل پیرا رہے ،تا کہ اس کا آئینۂ دل زنگ کدورت سے پاک اور منزہ ہو جائے اور کوئی بھی لمحہ یادِ الٰہی (جو آخرت کا وسیلہ جمیلہ اور سعادتِ دنیوی کا ذریعہ جلیلہ ہے) سے خالی نہ گزرے۔ اس زمانے میں آپ سے کوئی بھی بڑھ کر نہیں۔ دِل میں آپ جیسے خدا شناس پر اس طرح اعتقاد راسخ ہے کہ باوجود ظاہری قوت متخلیہ میں آپ ہی کی صورت جلوہ گر ہے۔ اگر علائق دنیا دامن گیر نہ ہوتے تو اسی وقت ملاقات کے لیے حاضر ہوتا''۔ ۱۲

حوالہ جات

۱ پتافی، شکیل، ڈاکٹر، جنوبی پنجاب میں اردو شاعری، جھوک پبلشرز، قلعہ قاسم باغ روڈ بیرون دولت گیٹ، ملتان، طبع اول، ص۲۶۶ اگست ۲۰۰۸ء

۲ اللہ بخش بلوچ، خاتم سلیمانی، خادم التعلیم سٹیم پریس، لاہور، طبع اول ۱۹۰۷ء ص۹

۳ روبینہ ترین، ڈاکٹر، ملتان کی ادبی وتہذیبی زندگی میں صوفیاء کرام کا حصہ، بیکن بکس، گلگشت، ملتان ص۲۳۱

۴ مولوی صالح محمد، حیات سلیمانی، پاک الیکٹرک پریس، ملتان، طبع اول ۱۹۵۶ء ص۱۳۹تا

۵ سجاد حیدر پرویز، پروفیسر، سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، طبع اول ۲۰۰۱ء ص۲۴۷

۶ سجاد حیدر پرویز، پروفیسر، سرائیکی زبان وادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان طبع اول ۲۰۰۱ء ص۱۶۷

۷ مولوی صالح محمد، سیرتِ سلیمان، اجمیری کتاب گھر پیر پٹھان روڈ، ملتان طبع اول ۱۹۳۵ء ص۱۶۸

۸ مولوی صالح محمد، حیاتِ سلیمانی، پاک الیکٹرک پریس، ملتان، طبع اول ۱۹۵۶ء ص۵۰تا۵۱

۹ اختر راہی، تذکرہ علمائے پنجاب، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، بارِ دوم، ۱۹۹۸ء

۱۰ ملتانی، ابوہری، محمد بشیر انور، ڈاکٹر، نصاب ضروری تصحیح اردو ترجمہ، سرائیکی ادبی بورڈ (رجسٹرڈ) ملتان، ۲۰۰۳ء ص۵۰

۱۱ مولوی صالح محمد، سیرتِ سلیمان، اجمیری کتاب گھر پیر پٹھان روڈ، ملتان طبع اول ۱۹۳۵ء

۱۲ ساحر، عبدالعزیز، ڈاکٹر، بہادر شاہ ظفر کے دو نادر اور غیر مطبوعہ خط مشمولہ معیار جنوری۔ جون ۲۰۱۱ء، شعبہ اردو بین الاقوامی ص۲۰۸ اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆☆☆☆

برصغیر میں برطانوی راج کی مخالفت میں صوفیائے سیال شریف کا کردار

پروفیسر ڈاکٹر حافظ خورشید احمد قادری☆

پہلی بات:

پروفیسر ڈاکٹر محمد سلطان شاہ، شعبہ عربی وعلوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی لاہور کے صدرِ شعبہ ہیں۔ آپ نے تحقیق کے تمام وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے زیرِ نظر مضمون انگریزی زبان میں حوالۂ قرطاس کیا۔ راقم اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کی ترتیب وتدوین سے فارغ ہوا تو اظہارِ تشکر کا اس سے بہتر کوئی طریقہ سمجھ میں نہیں آیا کہ صغرسنی میں حضور شیخ الاسلام سے بیعت اور پاؤں دابنے کی سعادت کو علمی انداز میں صاحبانِ نظر کے سامنے پیش کیا جائے۔ راقم کے ہاتھ انگریزی مقالہ کا اُردو ترجمہ لکھنے کی سعادت میں اس لیے مشغول رہے کہ ان ہاتھوں کو حضور شیخ الاسلام کے ہاتھوں کے لمس کی سعادت حاصل رہی اور آپ کے صراطِ مستقیم پر رہنے والے قدمین کو سہلانے کا شرف بھی ان کا اعزاز ہے۔ ایں سعادت..........

تعارف:

برصغیر میں تبلیغ اسلام کا سہرا صوفیائے کرام کے سر رہا ہے۔ وہ پختہ کردار کے عظیم مذہبی علما تھے جنھوں نے مؤثر تبلیغ اسلام کے لیے مقامی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔ صوفیا کے کردار سے متاثر ہو کر بڑی تعداد میں ہندو دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ تصوف کے مخالفین ان عظیم صوفیا کو تارک الدنیا راہبوں جیسا خیال کرتے ہیں لیکن علم وعمل کے پیکر یہ صوفیا نبی رحمت ﷺ کے اس ارشاد کی تصویر تھے کہ ''اسلام میں رہبانیت کی کوئی گنجائش نہیں''۔[1]

سلسلۂ سہروردیہ کے صوفیا اور سلاطینِ دہلی کے اتنے مثالی تعلقات تھے کہ تین سہروردی صوفیا نے شیخ الاسلام کے منصبِ جلیلہ کو عزت بخشی۔ سلسلۂ چشتیہ کے صوفیا شاہی درباروں کی حاضری سے دُور رہتے لیکن درباری زُعما ان سے بھی بہت عقیدت رکھتے۔ بہ حیثیت مجموعی برصغیر کے سبھی طبقوں کے باسی تمام سلاسل کے صوفیا سے گہری عقیدت رکھتے۔ برطانوی استعمار کے خلاف سیاسی میدان میں تمام صوفیا نے بہت متحرک کردار ادا کیا۔ سلسلۂ چشتیہ کے کچھ سجادگان کے انگریز حکومت سے خوش گوار تعلقات تھے لیکن چشتیہ خانقاہوں کے سجادہ نشینوں کی اکثریت نے غاصب حکمرانوں کے خلاف اپنی دھرتی کی آزادی کے لیے بھرپور جدوجہد کی۔

سیال شریف تحصیل ساہی وال میں واقع ضلع سرگودھا کا ایک گاؤں ہے۔ یہ سرگودھا شہر سے جھنگ جانے والی سڑک پر ۴۸ کلومیٹر کے فاصلے پر نظر نواز ہوتا ہے۔ یہ وہ پاکیزہ مقام ہے جہاں اپنے وقت کے چار عظیم ترین صوفیا ایک دیدہ زیب اور باوقار مزار میں محوِ آرام ہیں۔

☆ شعبۂ اسلامیات، جی سی یونیورسٹی، لاہور

سلسلۂ چشتیہ کے ان چاروں بزرگوں نے تحریکِ آزادیٔ ہند میں بہت اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے برطانیہ کے غاصبانہ قبضے کی ہر سطح پر مخالفت کی۔ برطانوی حکومت نے تحائف اور اعزازات کے ذریعے مشائخ سیال شریف کو رام کرنے کی بہت کوشش کی لیکن انہیں کبھی ناحق کو حق کہنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکا۔ پیر سیال کی گدی سے برطانوی راج کے خلاف ہمیشہ آواز بلند ہوتی رہی۔ ایک انگریز مورخ ڈیوڈ گل مارٹن نے لکھا ہے کہ بہت سے سجادگان کو انگریز حکومت نے مقامی سطح پر اہم عہدوں سے نوازا۔ یہ بات جنوب مغربی پنجاب کے حوالہ سے درست ہے جہاں سجادگان کا شمار بڑے زمین داروں میں ہوتا اور وہ مقامی حکومتوں میں بڑے اثر و نفوذ کے مالک تھے۔[۲]

سیال شریف کے سجادہ نشینوں نے کبھی بھی برطانوی حکومت کے ساتھ تعاون کی ریت پر عمل نہیں کیا۔ زیرِ نظر مضمون کا مرکزی نکتہ پیر سیال کی چار نسلوں کے سیاسی کردار پر روشنی ڈالنا ہے۔ اس مقالہ میں برصغیر میں انگریز کے استعماری اقتدار کے خلاف اور تحریکِ تخلیق پاکستان میں مشائخ سیال شریف کے کردار کو نمایاں کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ یہ مضمون بنیادی طور پر پیر سیال کے حوالہ سے بیان کیے جانے والے ملفوظات اور تذکروں سے روشنی حاصل کر کے لکھا گیا ہے۔

خواجہ شمس العارفین اور انگریزی راج:

خانقاہِ سیال شریف کے بانی شمس العارفین خواجہ محمد شمس الدین سیالوی (۱۷۹۹ء۔۱۸۸۳ء) خواجہ شاہ سلیمان تونسوی (۱۷۷۰ء۔۱۸۵۰ء) کے خلیفہ تھے۔ آپ نے برطانوی استعمار کی بھرپور مخالفت کی۔ آپؒ اطمینان بخش لہجے میں فرمایا کرتے:

”رب العزت نے میری آنکھوں کو کسی انگریز کو دیکھنے سے محفوظ رکھا۔“[۳]

حضرت اعلیٰ کی انگریز سے مڈبھیڑ کے کئی مواقع پیدا ہوئے لیکن رب تعالیٰ نے آپ کی آنکھوں کو انگریز کی دید سے محفوظ رکھا۔ ایک مرتبہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ ایک برطانوی افسر علاقے کا دورہ کرتے ہوئے سیال شریف آن پہنچا ہے اور وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے۔ وہ ابھی بنگلہ شریف کے راستے میں ہی تھا کہ آپ نے نفرت آمیز انداز میں فرمایا: ”وہ میرے پاس کیوں آ رہا ہے؟ وہ میرے پاس کبھی نہیں پہنچ سکے گا“ ادھر آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے ادھر غاصب حکومت کے نمائندہ افسر نے آپ کی خدمت میں حاضری کا خیال ترک کیا اور یہ کہتے ہوئے واپس پلٹ گیا کہ میں پھر کبھی حاضر ہو جاؤں گا۔“[۴]

سلسلہ نقشبندیہ کے مشہور صوفی میاں شیر محمد نقشبندی (۱۸۶۵ء۔۱۹۲۸ء) نے ایک مرتبہ خواجہ شمس العارفین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ”وہ برطانوی حکومت کے اندر رہتے ہوئے بھی اس کے دائرۂ اثر سے باہر تھے۔“ میاں صاحبؒ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ خواجہ صاحب انگریزوں کے زیرِ حکومت علاقے میں رہتے ہوئے بھی ان سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔[۵]

ملکہ وکٹوریہ (۱۸۱۹ء۔۱۹۰۱ء) کے عہدِ حکومت میں انگریزوں نے افغانستان کے دارالحکومت کابل پر حملہ کیا۔ حضور شمس العارفین اپنے حجرہ مبارک میں تشریف فرما تھے، آپ اچانک اُٹھے اور جنوبی دروازے کے قریب جا کر بڑے جلال سے

فرمایا "جب افغان تلوار اٹھائیں گے تو اس عورت (ملکہ وکٹوریہ) کا لندن میں اپنے لباس میں ہی (خوف کے مارے) پیشاب خطا ہو جائے گا۔"

حضرت اعلیٰ نے یہ الفاظ دو یا تین مرتبہ دھرائے اور اس جلالی کیفیت میں اپنے جگہ واپس تشریف لے گئے۔ بعدازاں معلوم ہوا کہ برطانوی افواج نے عین اس وقت کابل پر حملہ کیا تھا لیکن پٹھانوں نے انہیں شکست سے دوچار کیا۔[۶]

درحقیقت حضرت شمس العارفین نے اپنے کشف کے ذریعے اس حملے کا حال جان کر اپنی کرامت کے ذریعے اس کا انجام بھی ارشاد فرما دیا۔ انگریزوں اور افغانوں کے درمیان پہلی جنگ جنوری ۱۸۴۲ء میں لڑی گئی۔ برطانوی افواج کی قیادت جنرل ایلفن سٹون (۱۷۸۲ء۔۱۸۴۲ء) جب کہ افغان افواج اکبر خان کی رہنمائی میں برسرِ پیکار تھے۔ یہ برطانیہ عظمیٰ کے دورِ عروج کا واقعہ ہے اس زمانے میں وکٹوریہ کی افواج کو ناقابلِ شکست مانا جاتا تھا۔ لیکن بہادر افغانوں نے نہ صرف انہیں پسپائی پر مجبور کیا بل کہ ایلفن سٹون کی فوج کا پڑاؤ بھی زمین بوس کر دیا۔ ۹ جنوری ۱۸۴۲ء کو اکبر خان (۱۸۱۶ء۔۱۸۴۵ء) نے حملہ آوروں کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا اور سب کو قید میں ڈال دیا۔ سلطنت برطانیہ کے خلاف افغانوں کی شاندار فتح نے تین سال کی بے دخلی کے بعد دوست محمد خان (۱۷۹۳ء۔۱۸۶۳ء) کی تخت نشینی کو ممکن بنا دیا جسے انگریزوں نے ۱۸۳۹ء میں کابل سے بے دخل کر دیا تھا۔[۷]

امیر شیر خان (۱۸۲۵ء۔۱۸۷۹ء) کے دورِ حکومت کے آخری دنوں میں برطانوی حکومت نے بہت تیاری اور منصوبہ بندی کے ساتھ افغانستان پر ایک شدید حملہ کر دیا۔ انگریزوں اور افغانوں کی اس دوسری جنگ میں میجر جنرل سر فریڈرک رابرٹس (۱۸۳۲ء۔۱۹۱۴ء) برطانوی افواج کا سالار تھا۔ برطانوی ماہرین کو پورا یقین تھا کہ وہ افغانستان کو با آسانی زیر کر لیں گے۔ بریگیڈیئر جنرل جارج فروز کو حملے کا حکم ملا۔ دونوں افواج کے درمیان ایک خوں آشام معرکہ میوند کے مقام پر ہوا۔ امیر شیر خان کے برادرِ اصغر سردار ایوب خان (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) اپنی تلوار کے ساتھ اس بہادری سے لڑے کہ ان کا ہاتھ سوج کر تلوار کے دستے میں پھنس گیا جسے بعدازاں تلوار کا دستہ کاٹ کر الگ کیا گیا۔ جس دن افغانوں پر حملہ کیا گیا خواجہ شمس الدین سیالوی اپنے حجرہ میں آرام فرما رہے تھے، بعداز وفات اسی مقام پر آپ کی تدفین بھی عمل میں آئی۔ اچانک آپ جلالی انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے اور جنوبی دروازے کا کواڑ پکڑ کر کچھ لحات کھڑے رہے۔ بے چینی کے عالم میں آپ تین مرتبہ بیٹھے، کھڑے ہوئے اور پھر تشریف فرما ہو گئے۔ حضرت اعلیٰ کے مرید باصفا مولانا محمد معظم الدین مورولوی (۱۸۳۲ء۔۱۹۰۷ء) وہاں موجود تھے، انھوں نے حضرت کی غیر معمولی حرکات وسکنات کو دیکھا؛ سوال تو نہ کر سکے لیکن واقعہ کا وقت اور تاریخ لکھ لیے۔ چند دنوں بعد کچھ افغان معززین سیال شریف حاضر ہوئے۔ شمس العارفین نے ان سے ان کے وطن کے احوال دریافت کیے۔ انھوں نے بتایا کہ فلاں تاریخ کو برطانوی افواج نے ایک بھرپور حملہ افغانستان پر کیا، گھمسان کا رن پڑا، انگریزوں نے بار بار کی پسپائی کے بعد جب تیسری مرتبہ حملہ کیا تو بہادر افغانوں نے اللہ تبارک تعالیٰ کے فضل سے انگریزوں کو فیصلہ کن شکست دی۔[۱] افغانوں کی یہ عظیم فتح ۱۸۷۹ء

کو تاریخ کا حصہ بنی۔ ساری گفتگو کے بعد ثابت ہوا کہ خواجہ صاحب کی بے چینی اور افغانستان پر حملہ ایک ہی تاریخ کے واقعات ہیں۔ میوند کے مقام پر برطانیہ کو عبرتناک شکست دینے کے بعد امیر عبدالرحمان سریر آرائے حکومتِ کابل ہوئے، امن وامان کی صورتحال کو بہتر بنایا اور ملک کو ترقی کی راہ پر ڈال دیا۔ ۸

میوند کی لڑائی افغان اور برطانوی افواج کے درمیان ۲۷ جولائی ۱۸۸۰ء کو لڑی گئی۔ افغان مجاہدین کی قیادت غازی محمد ایوب خان (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء) جب کہ انگریزوں اور ہندوستانی مشترکہ افواج کی کمان بریگیڈیئر جنرل بروز (۱۸۲۷ء۔۱۹۱۷ء) کے ہاتھ تھی۔ میوند جنوبی افغانستان میں قندھار کے مغرب میں واقع ہے۔ انگریزوں کے خلاف شاندار فتح کے سبب غازی محمد ایوب خان کو فاتحِ میوند اور افغانوں کے شہزادہ چارلی کے القابات سے نوازا گیا۔ انگریز تاریخ دان ہاؤارڈ ہینس مین (۱۸۷۷ء۔۱۹۱۶ء) کے مطابق میوند کی جنگ میں برطانوی فوج کے ایک ہزار سے زیادہ سپاہی کام آئے۔ ۹

جیفری گرین ہٹ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان میں برطانوی افواج کی بدترین شکست میوند کے مقام پر ہوئی۔ اڑھائی ہزار برطانوی سپاہ میں سے چالیس فی صد جان سے گئے۔ ان میں کی بڑی تعداد میدان سے بھاگتے ہوئے افغانوں کے غضب کا شکار ہوئی۔ اس سے ایک مرتبہ پھر ثابت ہوا کہ افغانستان میں بیرونی حملہ آوروں کی کوئی جگہ نہیں ہے اور قبائلِ افغانستان اپنے وطن کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ ۱۰

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور شمس العارفین افغان معاملات سے متعلق اتنے فکرمند کیوں تھے؟ پہلی وجہ تو بہت واضح ہے کہ ایک برادر مسلم ملک پر حملہ ایک مسلم صوفی کے لیے فکرمندی کا باعث تھا۔ دوسری وجہ ایک ذاتی حوالہ تھا کہ حضرت شمس العارفین نے علم الحدیث اور علم الفقہ شارح بخاری اور کابل میں مقیم نام ور عالم استاد حافظ عمر دراز سے پڑھے تھے۔ استاد اور مادرِ علمی سے تعلق خاطر اس فکرمندی کی وجہ تھی۔ اسی لیے آپ جارحیت کے شکار افغانستان سے غیر متعلق نہ رہ سکے۔ ۱۱

خواجہ شمس العارفین کے ایک عقیدت مند ملک فتح شیر خان ٹوانہ نے کافی دفعہ آپ سے شکایت کی کہ ان کی برادری کے ایک اور زمین دار ملک شیر محمد خان ٹوانہ اکثر پنجاب کے انگریز گورنر کو قیمتی تحائف دیتے رہتے ہیں لیکن ملک فتح شیر اتنے قیمتی تحائف دینے کی سکت نہیں رکھتے۔ جب بھی ملک فتح شیر اس شکایت کے ساتھ سیال شریف آتے تو خواجہ صاحب دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے۔ گورنر کا متوقع دورہ ملتوی ہو جاتا۔ ملک صاحب حضور شمس العارفین کے سچے مرید تھے جو کچھ انھوں نے گورنر کی خدمت میں پیش کرنے کے لیے جمع کیا ہوتا، دورہ ملتوی ہونے پر وہ سب کچھ لے کر سیال شریف حاضر ہو جاتے۔ ۱۲

جنگِ آزادی میں برصغیر کے باسیوں کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔ جب انگریزی حکومت نے برصغیر کے طول و عرض میں کام شروع کر دیا تو کچھ مسلمان بھی انگریز حکومت کے ملازم ہو گئے۔ خواجہ شمس العارفین انگریزوں کی حکومت میں کسی بھی طرح کی ملازمت کو ناپسند کرتے اور فرمایا کرتے ایک مسلمان کا کسی غیر مسلم کی ملازمت کرنا اس لیے مذہبی حوالہ سے نقصان دہ ہے کہ اس طرح اس کی اطاعتِ الٰہی کا درجہ کم ہو جاتا ہے۔ ۱۳

خلفائے شمس العارفین اور برطانوی راج:

خلیق احمد نظامی (پ ۱۹۲۵ء) نے لکھا ہے کہ خواجہ شمس الدین سیالوی نے ۳۵ سالکانِ راہِ طریقت کو جبۂ خلافت سے نوازا۔۱۴

لیکن حاجی محمد مرید احمد چشتی نے ۱۰۰ اولیا کے نام گنوائے ہیں جنھیں حضرت شمس العارفین سے خلافت کی ذمہ داریاں سونپیں۔۱۵

خلفائے پیر سیال کی یہی فہرست (۱۱۰) ڈاکٹر محمد صحبت خان کوہاٹی نے بھی اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ میں نقل کی ہے جو انھوں نے ۲۰۱۰ء میں کراچی یونی ورسٹی میں پیش کیا۔۱۶

خلفائے شمس العارفین کی ایک بڑی تعداد استعماری حکمرانوں کے سخت خلاف تھی لیکن وہ عملی سیاست سے کنارہ کش ہی رہے۔ ڈیوڈ گل مارٹن نے بیان کیا ہے کہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۷ء) نے برطانوی حکومت کے ساتھ کسی بھی طرح کا تعاون کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور مذہبی ذمہ داریوں کی بجا آوری کو ہی اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ آپ نے اپنے مریدین کی انفرادی اصلاح کو اسلامی احکام کی بجا آوری کے ساتھ منسلک قرار دیا۔ اس سلسلے میں آپ نے متعدد فتاویٰ جاری کیے جنھیں علما کی ایک بڑی تعداد نے علم و تحقیق کے شاہ کار قرار دیا۔۱۷

برطانوی بادشاہ جارج پنجم (۱۸۶۵ء۔۱۹۳۶ء) ۱۹۱۱ء میں ہندوستان کے دارالحکومت دہلی کے دورے پر آیا۔ اس موقع پر بہت سی مذہبی شخصیات کو دہلی دربار میں شرکت کی دعوت دی گئی۔ خواجہ شمس العارفین کے ایک مشہور خلیفہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۷ء) نے اس شاہی دعوت نامے کو اس بنا پر مسترد کر دیا کہ مجھ جیسے خادمِ اسلام کی دہلی دربار میں شرکت دینِ حق کی توہین کے مترادف ہے۔۱۸

برطانوی حکومت آپ کی ہمدردیاں خریدنے میں ناکام رہی۔ آپ کو خانقاہِ گولڑہ کے اخراجات کے لیے ۴۰۰ مربع نہری زمین کی پیشکش کی گئی لیکن حضرت گولڑوی نے پائے حقارت سے اس بڑی جاگیر کو ٹھکرا دیا۔۱۹

حضرت شمس العارفین کے ایک خلیفہ خواجہ الٰہی بخش حاجی پوری (۱۸۳۰ء۔۱۹۲۰ء) اپنے پیروکاروں کی ایک جماعت کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ برطانوی حکومت اور مسلمانانِ ہند کی کم نصیبی زیرِ گفتگو آ گئی۔ آپ نے اپنے حاضرین کے سامنے اعلان کیا کہ "انگریزوں کو برصغیر سے واپس جانا ہی ہوگا اور وطنِ عزیز میں آزادی کا سورج ضرور طلوع ہوگا۔ تم ضرور برطانیہ والوں کو برصغیر سے نکلتے ہوئے دیکھو گے۔ جب ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان منصۂ شہود پر آیا تو آپ کے مریدین کی ایک بڑی تعداد نے آپ کی اس پیش گوئی کو حقیقت بنتے اور آپ کی اس کرامت کو ظہور میں آتے ہوئے دیکھا۔

خواجہ شمس الدین سیالوی کے ایک اور خلیفہ، مولانا غلام قادر بھیروی (۱۸۲۵ء۔۱۹۰۹ء) ۱۸۷۹ء میں کلیۃ الشرقیہ لاہور کے ساتھ عربی زبان و ادب کے استاد کی حیثیت سے وابستہ ہوئے۔ دو برس بعد یعنی ۱۸۸۱ء میں حکومت برطانیہ کو علما کے

دستخطوں سے مزین ایک فتوے کی ضرورت پیش آئی۔ بہت سے مسلمان علمانے اس فتوے پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا لیکن اس کی مخالفت میں بھی اعلانیہ کچھ نہیں کہا۔ جب یہ فتویٰ مولانا غلام قادری بھیروی کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے بانگ دُھل اس کی مخالفت کی اور اس پر اپنے دستخطوں کو خارج از امکان قرار دیا۔ حکومت نے کلیۃ الشرقیہ کے رئیس ڈاکٹر جی ڈبلیو لائٹنر (۱۸۴۰ء۔۱۸۹۹ء) سے رابطہ کیا کہ وہ اپنے کالج کے علما سے اس فتوے پر تائیدی دستخط حاصل کریں۔ ڈاکٹر لائٹنر تعطیلات موسم گرما کے لیے ان دنوں شملہ میں تھے۔ انھوں نے اپنے عملہ میں موجود تمام علما کو ہدایت کی کہ وہ سرکاری ملازمت میں ہونے کی وجہ سے حکومت کے ایما پر مطلوبہ فتویٰ جاری کریں۔ رئیس الکلیہ کا خط پڑھ کر مولانا بھیروی نے سب سے پہلے یہ کہتے ہوئے استعفیٰ دیا کہ میں غلط فتویٰ جاری نہیں کروں گا۔ ڈاکٹر لائٹنر اس سطح کے بلند پایہ عالم کو کھونا نہیں چاہتے تھے اس لیے انھوں نے دوسرے خط میں درخواست کی مولانا کالج کو خیر باد نہ کہیں لیکن مولانا نے جواب میں لکھا ''چوں کہ مجھے غلط فتویٰ جاری کرنے کے لیے مجبور کیا گیا اس لیے کالج میں اپنی تدریسی خدمت کو جاری نہیں رکھ سکتا۔''

جب تعطیلات موسمِ گرما کے بعد پرنسپل واپس آئے تو انھوں نے مولانا سے ایک مرتبہ پھر درخواست کی کہ وہ کالج میں تدریسی خدمات کو جاری رکھیں لیکن مولانا نے فرمایا ''مجھے تاجدارِ مدینہ نے حکم دیا ہے کہ میں صرف قرآنِ کریم اور حدیثِ مبارکہ کی تعلیم سے وابستہ رہوں۔ مجھے کالج کی تنخواہ کی کوئی پروا نہیں کہ وہ رب العزت کے خزانے سے ہر ماہ پہنچ جایا کرے گی۔ ان حالات میں کلیۃ الشرقیہ میں تدریسی خدمات کے حوالہ سے مجھے معذور سمجھا جائے۔ ۲۰''

خواجہ محمد الدین سیالوی اور انگریزی راج:

شمس العارفین کے جانشین ان کے بیٹے محمد الدین سیالوی (۱۸۳۷ء۔۱۹۰۹ء) اپنے والد گرامی کی نسبت نرم مزاج بزرگ تھے اور انگریزوں سے ملاقات کو کارِ گناہ نہیں سمجھتے تھے۔ اس بات کی کافی شہادتیں موجود ہیں کہ آپ نے ایک سے زیادہ مرتبہ بعض گوروں کو شرفِ ملاقات بخشا۔ غلام دستگیر خان بے خود نے لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور شمس العارفین نے فرمایا کہ ایک انگریز نے ان کے پاس سوال بھیجا کہ ''آپ صوفیا کے یومِ وفات کو عرس کیوں کہتے ہیں اور لفظ ''عرس'' کا مطلب کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ عرس کا مطلب شادی ہے اور ایسا ہم اس لیے کہتے ہیں کہ ایک صوفی کا اس مادی دنیا سے جانا دراصل اس کے لیے ایک نئی زندگی کا آغاز بھی ہے۔ یہ جواب سن کر وہ حیران ہوا اور کچھ توقف کے بعد اس نے ایک اور سوال کیا ''آپ کسی خاتون کے یومِ وصال کو عرس کیوں نہیں کہتے؟ خواجہ صاحب نے جواب دیا کہ کسی خاتون کے یومِ وصال کو عرس کہنے میں کوئی حرج نہیں کیوں کہ وہ تو خود ہی دلہن ہوتی ہے۔ اس جواب کے بعد گورا مزید سوالات کی جرأت نہ کر سکا اور خاموش ہو گیا۔ ۲۱

ایک مرتبہ پولیس کا ایک اعلیٰ افسر ایک پادری کو لے کر سیال شریف آیا۔ اہلِ قریہ کے لیے یہ ایک انہونی بات تھی۔ اردگرد کی بستیوں سے بہت سے لوگ سیال شریف میں جمع ہو گئے۔ خواجہ محمد الدین سیالوی نے لوگوں کے بیٹھنے کے لیے قالین اور برطانوی نوواردوں کے لیے چارپائیاں بچھانے کا حکم دیا۔ اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد پولیس افسر نے کہا ''مولوی صاحب

ہمارا پادری خدا کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہے"۔ خواجہ صاحب نے فرمایا "بخوشی" پادری نے عقیدہ تثلیث میں "عیسیٰ کے تین میں سے ایک" ہونے اور عقیدہ "کفارہ" سے متعلق ایک لمبی تقریر کی۔ پادری کی طول بیانی کے دوران خواجہ صاحب نے ایک باوقار خاموشی اختیار کیے رکھی اور کسی بھی مرحلے پر مداخلت نہیں فرمائی۔ حاضرین آپ کی اس خاموشی پر حیران تھے۔ اسی دوران عصر کی اذان کی آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا: اے پادری تم نے اپنے خدا کے بارے میں بہت کچھ کہا اور ہم نے تحمل سے سنا، اب ہمیں اپنے اللہ کی بات سننے کے لیے جانے دو۔" پادری نے حیرت سے پوچھا "آپ کیا فرما رہے ہیں؟" "کیا آپ کا اللہ ہمارے خدا سے مختلف ہے؟" آپ نے فرمایا "تمہارے خدا کی بیوی اور بچے ہیں لیکن ہمارا اللہ وحدہ لاشریک ہے۔" (وہ یکتا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں)۔۲۲

درحقیقت خواجہ صاحب کا ارادہ پادری کو رسول کریمؐ پر نازل ہونے والی اس آیت قرآنی کی روشنی میں تبلیغ کرنا تھا کہ "بے شک ان لوگوں نے کفر کیا جنھوں نے کہا "یقیناً اللہ تین معبودوں میں سے تیسرا ہے" حالاں کہ ایک معبود کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں"۔۲۳

خلفائے حضرت ثانی لاثانی اور برطانوی راج:

حاجی محمد مرید احمد چشتی نے لکھا ہے کہ خواجہ محمد الدین سیالوی نے ۱۲۸ اولیا کو خلعتِ خلافت عطا فرمائی۔۲۴

آپ کے خلفا میں سے مولانا محمد ذاکر بگوی (۱۸۷۶ء۔۱۹۱۶ء) کا شمار اعلیٰ پائے کے علما میں ہوتا تھا۔۲۵

جب پرنس آف ویلز لاہور آیا تو آپ نے داڑھی کی اہمیت ان الفاظ میں بیان کی "یقیناً داڑھی عزت اور شرافت کی علامت ہے، جان لو کہ بادشاہ اور مذہبی رہنما اپنے چہروں کو داڑھی سے مزین کرتے ہیں"۔۲۶

حضرت ثانی کے ایک اور خلیفہ خواجہ محمد شریف چشتی (۱۸۷۰ء۔۱۹۱۷ء) کو ایک انگریز افسر نے سُرَکی کے ایک آدمی کی تفتیش کے سلسلے میں بلایا۔ آپ خورہ کے میاں عامر عبداللہ کے ہمراہ اس افسر سے ملنے کے لیے کٹوائی تشریف لے گئے۔ وہ آپ کی شخصیت سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے ۵۰۰ بیگھہ اراضی بطور نذرانہ پیش کرنی چاہی لیکن آپ نے زمین قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کمال استغنا سے فرمایا "ہم درویش ہیں، ہمارا جائے داد سے کیا تعلق"۔۲۷

خواجہ ضیاء الدین سیالوی اور انگریزی راج:

خواجہ حافظ محمد ضیاء الدین (۱۸۸۷ء۔۱۹۲۷ء) حضرت ثانی کے لخت جگر اور خواجہ شمس العارفین کے پوتے تھے۔ آپ بھی اپنے اسلاف کی طرح برطانوی حکومت سے شدید نفرت کرتے تھے۔ خواجہ قمر الدین سیالوی کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے پہلی عالمی جنگ میں برطانوی فوج میں شمولیت اختیار کی، انھوں نے دراصل برطانوی حکومت کو خوش کرنے کے لیے مسلمانوں کے خلاف قتال کیا۔ پہلی جنگِ عظیم میں حصہ لینے والے ہندوستانی فوجیوں کے نام یادگاری پتھروں پر کندہ کرا کے متعلقہ گاؤں کے نمبرداروں کو بھیجے گئے تاکہ عزت و فخر کی علامت کے طور پر انہیں گاؤں میں نصب کیا جائے۔ خواجہ ضیاء الدین

سُرَ کی شریف تشریف لے گئے تو نمبردار کی رہائش کے باہر اس طرح کا ایک پتھر نصب دیکھ کر پُرجلال آواز میں فرمایا ''لوگ (اپنے مسلمان بھائیوں کے خلاف لڑ کر) شرمندگی محسوس نہیں کرتے؟ وہ دشمنانِ اسلام کی طرف سے جنگ میں حصہ لینے کے بعد یادگاری پتھروں کی تنصیب کو فخر کی علامت سمجھتے ہیں۔''

آپ کے ارشاد کی تعمیل میں لوگوں نے نصب شدہ پتھر پر کندہ ناموں کو مٹا دیا۔ غلام محمد نامی پولیس افسر نے ڈپٹی کمشنر کو شکایت کی کہ سجادہ نشین (سیال شریف) کے اکسانے پر مولانا ظہور احمد بگوی (۱۹۰۰ء۔۱۹۴۵ء) نے یادگاری پتھر پر کندہ ناموں کو مٹا دیا ہے۔ اس شکایت پر کوئی کارروائی نہ ہو سکی اور پولیس افسر کو اپنی اڑائی ہوئی گرد خود ہی چاٹنی پڑی۔ ۲۸

ایک اور روایت کے مطابق حضرت ثالث کے حکم پر ایک ایسے یادگاری پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا جس پر برصغیر کے ان فوجیوں کے نام کندہ تھے جنھوں نے ترکی کی اسلامی سلطنت کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا۔ آپ کا ارشاد ہے ''میں ایسے بدقماش لوگوں کے نام دیکھنا پسند نہیں کرتا جنھوں نے ترکی کے مسلمانوں پر گولیاں چلائیں۔'' ۲۹

ڈاکٹر انوار احمد بگوی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ وادیِ سون سکیسر میں سُرَکی کے مقام پر اس وقت پیش آیا جب خواجہ ضیاء الدین تحریکِ خلافت کے حوالہ سے مولانا ظہور احمد بگوی کے ہم راہ علاقے کے دورے پر تھے۔ مولانا بگوی نے گاؤں والوں سے اپنے خطاب میں ترکی کے خلاف لڑنے والے فوجیوں کے کرتوتوں سے جب لوگوں کو آگاہ کیا تو چند پُرجوش نوجوانوں نے یادگاری پتھر کو گرا کر ریزہ ریزہ کر دیا۔ ۳۰

اس جرم کی وجہ سے آپ کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا اور عدالتی کارروائی سب ڈویژنل مجسٹریٹ چنیوٹ کی عدالت میں ہوئی۔ اس قصور کی پاداش میں کچھ عرصہ کے لیے مولانا بگوی کی تقریر پر پابندی لگا دی گئی۔ اس جبری خاموشی کے دوران آپ بھیرہ میں خطبۂ جمعہ ارشاد فرماتے رہے لیکن ایک سال تک عوامی جلسوں میں شرکت سے پرہیز ہی رہا۔ ۳۱

وادیِ سون سکیسر میں ملکہ وکٹوریہ کا ایک مجسمہ نصب تھا۔ چوں کہ حضرت ثالث نے اپنے معتقدین کو یہ مجسمہ ہٹانے کا حکم دیا اس لیے انگریز حکومت خواجہ ضیاء الدین سے ہمیشہ ناخوش رہی۔ ۳۲

ضلع شاہ پور کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ڈکن نے نھنگ بنگلہ کے رہنے والے شاہ پور کے تحصیل دار راجہ کفایت علی کو گورنر پنجاب کی نمائندگی کے لیے سیال شریف بھیجا۔ وہ حضرتِ ثالث کی خدمت میں حاضر ہو کر یوں گویا ہوا:

> ''گورنر پنجاب آپ کی مذہبی خدمات اور روحانیت کے سبب آپ سے بہت متاثر ہیں اور وہ آپ جیسے مذہبی اور متوکل فرد کو دنیاوی فکروں سے آزاد کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے فیصلہ کیا گیا ہے کہ ۲۰ مربع زمین (ایک مربع ۱۲۵ ایکڑ کے برابر ہوتا ہے) آپ کی ذاتی ضروریات کے لیے آپ کے نام کر دی جائے۔ مزید براں مجھے یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اگر ضرورت محسوس کروں تو

اس میں ۷ مربع زمین کا اضافہ کر کے اسے ۲۷ مربع بنادوں۔ آپ نے مسکراتے ہوئے یہ بات سنی اور دریافت فرمایا: ''یہ زمین کہاں واقع ہے؟'' راجہ اس سوال سے خوش ہوا اور اس نے پُر جوش انداز میں بتایا جناب لائل پور، سرگودھا، یا سیال شریف سے متصل رکھ فتح والی میں۔ ان علاقوں کی زمین بہت زرخیز ہے آپ جہاں پسند فرمائیں گے زمین آپ کے نام کردی جائے گی۔ خواجہ ضیاء الدین مسکرائے اور نفرت آمیز انداز میں فرمایا یہ زمینیں تو پہلے ہی میری ہیں کیونکہ یہ میرے کسی مسلمان بھائی کی ہی ملکیت ہیں۔ میرا تو خیال تھا کہ حکومت انگلینڈ میں کوئی زمین میرے نام کرنا چاہتی ہے۔'' ۳۳؎

خواجہ قمرالدین کے بیان کے مطابق آپ نے تحصیل دار کو ڈانٹتے ہوئے فرمایا ''میری نظروں سے دور ہو جاؤ تم میرا ایمان خریدنے آئے تھے۔ ۳۴؎

ایک مرتبہ حضرت ثالث خواجہ نظام الدین اولیاء (۱۲۳۸ء۔۱۳۲۵ء) کی درگاہ پر فاتحہ پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے۔ عصر کے وقت قریب ہی ایک مسجد میں نماز ادا کرنے گئے تو مسجد کو مقفل پایا اور دو برطانوی سپاہی مرکزی دروازے پر پہرہ دے رہے تھے۔ حضرت ثالث کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا کہ غیر ملکی حکمرانوں کا ارادہ مسجد کو ذاتی جاگیر کی طرح کسی اور مقصد کے لیے استعمال کرنے کا تھا۔ اس وقت آپ کے چھوٹے صاحب زادے محمد عبداللہ سیالوی ڈاکٹر فیروز الدین اور عیسیٰ قریشی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ نے اپنے بیٹے کو تالا توڑنے کا حکم دیا۔ مسجد میں داخل ہوئے تو حیران کن منظر دیکھا کہ مسجد کے فرش پر کابل سے درآمد شدہ گھاس شاہی گھوڑوں کے لیے موجود تھی یعنی اس پاکیزہ جگہ کو شاہی اصطبل کے طور پر استعمال کیا جا رہا تھا۔ آپ نے عیسیٰ قریشی کو رائفل کے ساتھ دروازے پر کھڑا رہنے کا حکم دیا اور فرمایا ''اگر کوئی گورا رکاوٹ بننے کی کوشش کرے تو اسے وہیں ڈھیر کر دو۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے مسجد کی صفائی کی، اذان دے کر باجماعت نماز ادا کر کے ایک خط کمشنر دہلی کو اس مضمون کا لکھا۔ ''مسجد مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے جسے وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ مسلمان اسے اپنا مذہبی فریضہ خیال کرتے ہیں کہ مساجد کے تقدس کو بحال کریں۔ اس لیے میں تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ جس مسجد کو اصطبل کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے کل شام تک اسے بحال کر کے مجھے اطلاع دی جائے۔ اگلے دن عصر کی نماز کے لیے آپ اُسی مسجد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ ایک بوڑھے مولوی صاحب مسجد کے اندر تلاوتِ کلام مجید میں مشغول ہیں۔ مولوی صاحب نے حضرت ثالث کو بتایا کہ کمشنر نے کل شام انھیں ۳۰ روپے ماہوار مشاہرہ پر اس مسجد کا امام متعین کیا اور وہ آج صبح یہاں پہنچے ہیں۔

حضرت ثالث یہ بات سن کر خوش ہوئے، ۲۰ روپے مولوی صاحب کو ہدیہ کیا، اپنا مکمل نام و پتہ لکھ کر دیا اور فرمایا آپ کو اس درویش کی جانب سے ہر ماہ ۲۰ روپے ہدیہ ملا کریں گے'' خواجہ صاحب نے امام صاحب کو دِلی جذبے سے مسجد کی خدمت

کرنے کی نصیحت کی اور معانقہ کر کے تشریف لے گئے۔۳۵

ایک مرتبہ انگریز ڈپٹی کمشنر خواجہ ضیاء الدین کی زیارت کے لیے سیال شریف حاضر ہوا۔صاحب زادہ سعداللہ سیالوی اس کو بنگلہ شریف کے مہمان خانہ میں لے آئے۔خواجہ صاحب اپنی خواب گاہ میں تشریف فرما تھے۔صاحب زادہ سعداللہ سیالوی نے آپ کو ڈپٹی کمشنر کے آنے کی اطلاع دی تو آپ نے فرمایا ''وہ میری اجازت کے بغیر ہماری رہائش گاہ میں کیوں داخل ہوا، اسے کہو کہ واپس چلا جائے۔'' سعداللہ صاحب نے درخواست کی کہ ڈپٹی کمشنر آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہے، آپ اسے باریاب کر لیں لیکن آپ اپنے فیصلے پر قائم رہے اور ڈپٹی کمشنر کو شرف باریابی بخشنے سے انکار کر دیا۔صاحب زادہ صاحب نے ڈی سی کو بتایا کہ حضرت صاحب اپنی خواب گاہ میں ہیں اس لیے آپ سے نہیں مل سکتے۔ڈی سی معاملہ کی تہہ تک پہنچ گیا اور کہا ''آپ نے مجھے درست صورت حال سے آگاہ نہیں کیا۔میرا خیال ہے کہ خواجہ صاحب مجھ سے ملنا نہیں چاہتے۔اس طرح انگریز افسر ایک محب وطن کی ملاقات سے محروم رہ گیا۔

متحدہ برطانیہ عظمیٰ کے شہنشاہ کا نام جارج پنجم (۱۸۶۵ء۔۱۹۳۶ء) تھا۔حضرت ثالث نے اپنے پالتو کتے کا نام شاہِ برطانیہ کے نام پر جارج رکھا۔آپ اپنے خادم کو اکثر مجمع عام میں فرمایا کرتے جاؤ جارج پنجم کو لسی دے آؤ، یہ اس کے کھانے کا وقت ہے اسے روٹی ڈال آؤ۔۳۶

خواجہ غلام فخر الدین سیالوی کا بیان ہے کہ انگریز اپنے پالتو کتوں کا نام ٹیپو رکھا کرتے تھے اسی لیے حضرت ثالث نے اپنی انگریز دشمنی کے اظہار کے لیے خاص طور پر ایک پالتو کتے کا نام جارج پنجم رکھا۔۳۷

انگریزوں سے آپ کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کبھی لالٹین کا استعمال نہیں کیا، کہ برطانوی ساختہ چیز کے استعمال کا مطلب غاصب حکمرانوں کو فائدہ پہنچانا تھا۔بجلی کی عدم دستیابی کی وجہ سے ان دنوں آپ رات کے وقت روشنی کے حصول کے لیے مٹی کے دیئے استعمال کرتے۔۳۸

غاصب حکومت کے خلاف آپ کی نفرت اس درجے کو پہنچی ہوئی تھی کہ اگر کوئی مقامی سرکاری ملازم لنگر شریف کے برتنوں میں کھانا کھا لیتا یا صرف انھیں چھو بھی لیتا تو آپ ایسے برتنوں کو توڑ دینے کا حکم صادر فرما دیا کرتے۔۳۹

تحریک ہجرت اور علما کے دو گروہ:

برصغیر کے علمائے ہندوستان کے دارالسلام یا دارالحرب ہونے کے سوال پر متفق نہیں تھے۔وہ علما جو ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ان کا اصرار تھا کہ مسلمانوں کو ہمسایہ اسلامی ملک افغانستان کی طرف ہجرت کر جانی چاہیے کیوں کہ دارالحرب سے ہجرت واجب ہے۔مولانا احمد رضا خان بریلوی (۱۸۵۶ء۔۱۹۲۱ء) نے جہاد اور ہجرت کو ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ناقابلِ قبول قرار دیا کیوں کہ یہ دونوں عمل آنکھ بند کر کے موت کے منہ میں چھلانگ لگانے کے مترادف تھے۔ہجرت کی تائید کرنے والوں میں بھی بڑے بڑے نام شامل تھے جیسے کہ مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء۔۱۹۵۶ء)، ابوالکلام آزاد

(۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء)، علی برادران، عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۲ء۔۱۹۶۱ء)، ثناء اللہ امرتسری (۱۸۶۸ء۔۱۹۴۸ء)، مولانا احمد علی لاہوری (۱۸۸۷ء۔۱۹۶۲ء)، اور مولانا داؤد غزنوی (۱۸۹۵ء۔۱۹۶۳ء) جب کہ ہجرت کو فقط تباہی کا راستہ قرار دینے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد موجود تھی جن میں ابوالحسنات محمد عبدالحسن فرنگی محلی (۱۸۴۸ء۔۱۸۸۶ء) مولانا اشرف علی تھانوی (۱۸۶۳ء۔۱۹۴۳ء)، نواب صدیق حسن خاں (۱۸۹۰ء۔۱۸۳۲ء) اور مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷ء۔۱۹۱۴ء)۔ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا قاسم نانوتوی (۱۸۳۳ء۔۱۸۸۰ء) کی رائے سب علما سے مختلف تھی۔ وہ ہجرت کے وجوب کے حوالہ سے ہندوستان کو دارالحرب جب کہ سودی کاروبار کے حوالہ سے دارالسلام قرار دیتے۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۸۲۹ء۔۱۹۰۵ء) بھی مہتمم دیوبند سے مختلف رائے کا اظہار نہ کر سکے۔ تحریکِ خلافت کے پرزور مؤید مولانا عبدالباری فرنگی محلی (۱۸۷۸ء۔۱۹۲۶ء) ہندوستان کو دارالسلام قرار دیتے۔[۴۰]

حضرت ثالث اور تحریکِ ہجرت:

اس ماحول میں خانقاہوں کے سجادگان کی آرا میں بھی ہجرت کے حوالہ سے اختلاف تھا۔ خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی افغانستان کی طرف ہجرت کے قائل تھے۔ آپ کے فرزند خواجہ غلام فخر الدین سیالوی نے ایک مرتبہ فرمایا "مجھے اپنے بچپن کے وہ دن یاد ہیں جب حضرت ثالث فرمایا کرتے تھے اپنا سامان باندھ رکھو ہمیں کسی بھی وقت افغانستان کی طرف ہجرت کرنا پڑ سکتی ہے۔"[۴۱]

حکیم علی محمد کا بیان ہے کہ خواجہ ضیاء الدین بہت سنجیدگی سے افغانستان کی طرف ہجرت بارے سوچا کرتے۔ آپ نے حکیم صاحب کو تحصیل خوشاب میں واقع بٹالہ کے کرنل رکن الدین کے پاس ہجرت کے سلسلے میں مشاورت کے لیے بھیجا۔ درحقیقت کرنل صاحب ایک لمبے عرصہ تک افغانستان میں اقامت پذیر رہ چکے تھے اسی لیے ان سے مشاورت کی گئی۔ کرنل صاحب نے اس سفر کی مشکلات کو نمایاں کیا تو حضرت ثالث کو حالات سے آگاہ کر دیا گیا۔[۴۲]

حکیم علی محمد کو ایک قبائلی کارواں کے ساتھ افغانستان بھیجا گیا تا کہ وہ ہجرت سے پہلے افغانستان کے حالات کا بچشمِ خود جائزہ لے سکیں۔ مولانا محمد ذاکر نے حکیم صاحب کے ہمراہ جانے کی اجازت طلب کی تو مولانا کو بھی ساتھ بھیج دیا گیا۔ روانگی سے پہلے وہ دونوں شیر خان تونسوی سے ملے اور اس کے کارواں کے ساتھ جانے کے معاملات طے ہوئے لیکن جب دونوں حضرات شیر خان کے کاروان میں پہنچے تو اسے غیر حاضر پایا۔ اہلِ کاروان نے دو ہندوستانیوں کو ہم رکاب کرنے سے انکار کر دیا اور حکومت افغانستان نے بھی انھیں آنے کی اجازت نہیں دی۔ اس طرح دونوں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے اور وطن واپس آ گئے۔[۴۳]

خواجہ ضیاء الدین نے تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت اور تحریکِ عدم تعاون تینوں میں بھرپور حصہ لیا۔ گل مارٹن کی تحقیق کے مطابق سیال شریف کے پیر ضیاء الدین نے انگریزوں کے خلاف فتوٰی دینے پر جمعیت علمائے ہند کی تائید کی۔[۴۴]

جب تحریکِ خلافت اپنے عروج پر تھی تو خواجہ ضیاء الدین سیالوی نے اپنی زوجہ محترمہ سے کہا سونے کے تمام زیورات لے آئیں تاکہ انھیں بیچ کر ترک مجاہدین کے لیے رقم بھجوائی جا سکے۔[۴۵]

آپ کی زوجہ محترمہ نے تعمیلِ ارشاد کرتے ہوئے، دل کی پوری خوشی کے ساتھ تمام زیورات پیش کر دیئے۔ حضرت ثالث نے اپنے مریدین کی مدد سے بھی ہزاروں روپیہ جمع کر کے ترک مجاہدین کی مدد کے لیے روانہ فرمایا۔ حضرت ثالث کے دادا، خواجہ شمس العارفین کے خلیفہ پیر سید مہر علی شاہ گولڑوی نے اپنی مستورات کے زیورات اور جنگی مقاصد کے لیے تربیت یافتہ گھوڑے اپنے ترک بھائیوں کی نذر کیے۔[۴۶]

خواجہ ضیاء الدین نے ایک فتویٰ جاری کیا جس کے مطابق برطانوی حکومت کی فوج اور پولیس میں ملازمت کو حرام قرار دیا گیا۔ یہ فتویٰ ''امرِ معروف'' کے نام سے بڑے پیمانے پر شائع ہوا۔[۴۷]

حضرت ثالث اور تحریکِ عدم تعاون:

تحریکِ عدم تعاون کے حوالہ سے حضرت ثالث نے اپنے دادا حضور کے خلیفہ پیر مہر علی شاہ گولڑوی سے مختلف رائے کا اظہار کیا۔ ڈرامائی طور پر تحریک میں ایک تناؤ کی کیفیت اس وقت پیدا ہوئی جب اصلاحی مزاج کے ایک ثقہ عالم دین، مولانا محمد اسحاق مانسہروی کو پیر ضیاء الدین نے اجازت دی کہ سیال شریف کے سالانہ عرس کے موقع پر عوامی سطح پر، تحریکِ خلافت کی ثقاہت کی مخالفت کے حوالہ سے حضرت گولڑوی کو عوامی مناظرہ کا چیلنج دے دیں۔ عارف گولڑہ کے بہت سے وہ مرید جو عرس پاک میں شریک تھے، ان کے لیے یہ چیلنج دیہی علاقوں کی مذہبی قیادت پر حملہ کے مترادف تھا۔ اس کے نتیجے میں لاقانونیت کی کیفیت پیدا ہو سکتی تھی لیکن دونوں جانب موجود گلے شکوے دور کرنے کی کوششیں کامیاب رہیں۔[۴۸]

حضرت ثالث اور عارفِ گولڑہ کے درمیان تحریکِ عدم تعاون کے حوالہ سے مختلف نقطۂ نظر کی وجہ سے خط و کتابت موجود ہے لیکن اس بات پر دونوں کا کامل اتفاق تھا کہ برطانوی حکومت کی ملازمت حرام ہے۔ نواب میاں محمد حیات قریشی اور مولانا محمد دین بگوی کی مصالحانہ کوششوں سے دونوں بزرگوں کے درمیان اختلافات کی خلیج کو پاٹ دیا گیا۔[۴۹]

خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی ۱۹۲۰ء کے عرس پر کی جانے والی تقریر کو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے لیے ''اعلان واجب الاذعان'' کے عنوان سے کچھ تعارفی کلمات کے ساتھ شائع کیا گیا۔

خواجہ ضیاء الدین سیالوی کا ایک ایک فتویٰ:

اپنے ایک فتویٰ میں حضرت ثالث نے اپنے معتقدین پر زور دیا کہ وہ حکومت برطانیہ سے کسی بھی قسم کے تعاون سے گریز کریں۔ فتویٰ کی درج ذیل ہدایات زیادہ نمایاں تھیں:

۱۔ حکومتی خطابات اور اعزازی عہدے واپس کرنا۔

۲۔ کونسل کی رُکنیت سے الگ ہونا اور امیدواروں کو ووٹ دینے سے گریز کرنا۔

۳۔ مذہبی مخالفین کو تجارتی فوائد نہ پہنچانا۔

۴۔ سکولوں اور کالجوں کے لیے مالی امداد قبول نہ کرنا اور سرکاری یونی ورسٹیوں کے ساتھ کوئی بھی تعلق نہ رکھنا۔

۵۔ فوج کی ملازمت سے انکار اور فوج کی کسی بھی طرح کی مدد سے گریز۔

۶۔ اپنے مقدمات کے لیے انگریزی عدالتوں کی طرف رجوع نہ کرنا اور وکیل کے طور پر یہ عدالتوں کا بائیکاٹ کرنا۔[۵۰]

خواجہ ضیاء الدین کا شمار علاقے کے بڑے زمین داروں میں ہوتا تھا لیکن آپ نے انگریزی حکومت کو لگان کی مد میں کبھی پھوٹی کوڑی بھی نہیں دی۔[۵۱]

آپ نے تمام انگریزی مصنوعات کو تیاگ رکھا تھا خاص طور پر انگریزی کارخانوں سے بنے کپڑے کو سخت ناپسند کرتے۔ آپ اور آپ کے اہلِ خانہ کھدر اور گھریلو کھڈیوں پر بنا کپڑا استعمال کرتے۔[۵۲]

ہجرت کے حق میں فتویٰ کے حوالہ سے خواجہ ضیاء الدین کا کردار بہت سے دوسرے علما سے مختلف تھا۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (۱۸۹۲ء۔۱۹۶۱ء)، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالکلام آزاد (۱۸۸۸ء۔۱۹۵۸ء)، اور مولانا شوکت علی (۱۸۷۳ء۔۱۹۳۹ء)، سب عوام کو ہجرت کرنے کی تبلیغ کر رہے تھے لیکن ان میں سے کسی رہنما نے خود افغانستان یا ایشیائے کوچک کی طرف ہجرت نہیں کی۔[۵۳]

اس کے برخلاف خواجہ ضیاء الدین نے سنجیدگی سے ہجرت افغانستانوں کے لیے سوچا اور اپنے نمائندگان کے ذریعے راستہ بھی ہموار کرنا چاہا لیکن رب العزت نے اس آزمائش سے خلوص اور تقویٰ جیسی خصوصیات کی بدولت آپ کو محفوظ رکھا۔

پنجاب کے چند معروف سجادگان جیسے کہ پیر جماعت علی شاہ علی پوری (۱۸۳۴ء۔۱۹۵۱ء)، پیر فضل شاہ جلال پوری اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی (۱۸۵۹ء۔۱۹۳۷ء) نے اس پُر خطر سفر کی مخالفت کی اس لیے کی کہ ان کی دیانت دارانہ رائے ہی یہ تھی کہ اس کا قوم کے مسائل کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا اور یہ نہ صرف غیر ضروری بل کہ قوم کے لیے نقصان دہ بھی تھی۔[۵۴]

حالاں کہ پیر مہر علی شاہ حضرت ثالث کے دادا حضور کے خلیفہ تھے لیکن آپ نے ہجرت کے معاملہ میں کبھی اپنے پیر خانے کی حمایت نہیں کی۔ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے عارف گولڑہ نے فرمایا ''صحابہ کی ہجرت سے اس ہجرت کا کوئی تعلق نہیں اور اس طرح کی ہجرت کو قرآن، حدیث اور کسی دوسرے ذریعے سے بھی تائید حاصل نہیں ہوتی۔

حضرت ثالث انگریزی حکومت کی نظر میں:

انگریزوں کے جاسوسی محکمہ کے کارندوں کے ذریعے حضرت ثالث کی مسلسل نگرانی کی جاتی۔ پولیس کا ایک افسر اعلیٰ ڈی جونز آپ کی تمام مصروفیات سے باخبر رہتا اور اپنی کارگذاری سے حکومتِ برطانیہ کو آگاہ رکھتا۔ اس کی اطلاع کے مطابق سرکارِ انگلشیہ کے خلاف نفرت پھیلانے والوں میں خواجہ محمد ضیاء الدین کا نام سب سے نمایاں تھا۔ مزید یہ کہ خلافت کمیٹی اور عدم تعاون کی دوسری سرگرمیوں کے لیے مالی معاونت کا سب سے بڑا ذریعہ بھی آپ ہی تھے۔ گورنر پنجاب ایڈورڈ ڈگلس میکلیگن

(۱۸۶۴ء۔۱۹۵۲ء) جب مارچ ۱۹۲۰ (۱۹۲۰۔۰۳۔۱۹) میں ملتان میں قیام پذیر تھا تو پیر ضیاء الدین سیالوی کے تین مریدوں (جنہیں پیر صاحب نے خود اس مقصد کے لیے متعین کیا تھا) کو گورنر کی رہائش گاہ پر حملہ کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے دھماکہ خیز مواد سمیت پکڑ لیا گیا۔ آپ کی سرگرمیوں کو برطانیہ عظمیٰ کی حکومت کے لیے نقصان دہ قرار دیا گیا۔ آپ کو مقامی نفاذِ قانون کے اداروں کے لیے دردِ سر اور رُکاوٹ بھی قرار دیا گیا۔ برطانوی گماشتوں کی طرف سے براہِ راست اور بالواسطہ بہت سی کوششیں کی گئیں کہ آپ کے دِل کو انگریزوں کے لیے نرم کر لیا جائے یا آپ کے رویے کو غاصبوں کے لیے قابلِ برداشت بنا لیا جائے لیکن سب بے سود رہا۔ تمام کوششوں کی ناکامی کے بعد آپ کی کڑی نگرانی شروع کر دی گئی اور ایک مستقل عملہ اس مقصد کے لیے متعین کر دیا گیا۔ ۵۵

جس دن حضرت ثالث نے اس مادی دنیا کو خیر باد کہا نواب خدا بخش ٹوانہ لاہور میں گورنر پنجاب کے پاس تھے، گورنر نے نواب صاحب کو بتایا کہ سیال شریف کے سجادہ نشین خواجہ ضیاء الدین سیالوی اس جہانِ فانی سے رخصت ہو چکے۔ نواب صاحب نے حیرت سے پوچھا "آپ کو یہ اطلاع کیسے ملی؟ میں تو اس بات سے واقف نہیں"۔ گورنر نے جواب دیا کہ مجھے یہ اطلاع وائرلیس کے ذریعے ابھی ملی ہے۔ ۵۶

خواجہ ضیاء الدین اتحادِ مسلمانانِ ہند کے داعی:

حضرت ثالث کی شخصیت کا ایک پہلو ہم آہنگی اور صلح جوئی کی تصویر بھی پیش کرتا ہے۔ آپ نے احناف کے دو مدارس فکر کو یکجا کرنے کے لیے ۱۳۰ کتوبر ۱۹۲۶ء کو دارالعلوم دیوبند کا دورہ کیا۔ اساتذہ اور طلبا نے بڑی گرم جوشی اور عقیدت کے احساس کے ساتھ آپ کا استقبال کیا۔ ایک شاندار استقبالیہ تقریب منعقد کی گئی جس میں دیوبند کے اصاغر و اکابر کے علاوہ سہارن پور اور میرٹھ سے بھی اہلِ علم نے شرکت کی۔ مولانا انور شاہ کاشمیری (۱۸۷۵ء۔۱۹۳۳ء) اور مولانا حبیب الرحمان (وفات ۱۹۲۹ء) نے اپنی تقاریر میں سجادہ نشین سیال شریف کا پُر جوش استقبال کیا۔ مولانا ظہور احمد بگوی نے اپنی تقریر میں خواجہ صاحب کی طرف سے میزبانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اپنے تین روزہ قیام کے دوران حضرت ثالث نے دیوبند کے علما سے مختلف موضوعات پر تبادلہ خیال کیا۔ ڈاکٹر انوار احمد بگوی کے مطابق برطانوی سامراج سے نفرت پیر سیال اور اہلِ دیوبند کی دوستی کا باعث بنی۔ ۵۷

خلفائے حضرت ثالث:

خواجہ ضیاء الدین کے ۲۲ خلفا میں سے چند اپنی انگریز دشمنی میں اپنے مرشد کی طرح بہت نمایاں تھے جیسے کہ امیر جنداللہ پیر حافظ محمد شاہ بھیروی، مولانا ظہور احمد بگوی، خواجہ حافظ محمد حسین مورولوی۔ ۵۸

مولانا افتخار احمد بگوی نے بیان کیا ہے کہ مولانا ظہور احمد بگوی نے اکتوبر ۱۹۲۱ء میں مرکزی مجلسِ خلافت ضلع سرگودھا بنائی اور حضرت ثالث کی رہنمائی میں پورے ضلع کے اندر خلافت کمیٹیاں تشکیل دیں۔ ۵۹

مولانا ظہور احمد بگوی نا صرف بھیرہ خلافت کمیٹی کے معتمد منتخب ہوئے بل کہ آپ نے سرگودھا کی خلافت کمیٹی میں بھی

معتمد کے طور پر خدمات انجام دیں۔ مولانا بگوی نے حضرت ثالث کی معیت میں ۱۹۲۴ء کا سارا دسمبر علاقے کی مختلف خلافت کمیٹیوں کی تنظیم میں گذارا۔٦٠

اس جرم کی پاداش میں مولانا ظہور احمد بگوی کو برطانوی حکومت نے گرفتار کر کے ڈیڑھ سال تک جہلم اور راولپنڈی کی جیلوں میں قید رکھا۔٦١

للّٰہ شریف کے صاحب زادہ محبّ الرسول کے مطابق ضلع شاہ پور سے مولانا بگوی پہلے مجاہد تھے جن کی تحریک خلافت کے حوالہ سے گرفتاری عمل میں آئی۔٦٢

ڈاکٹر انوار احمد بگوی نے بیس زعما کی ایک فہرست دی ہے جنھوں نے تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون کے دوران مولانا ظہور احمد بگوی کی دعوت پر بھیرہ کا دورہ کیا۔ خواجہ ضیاء الدین کا اسم گرامی بھی ان مقررین کی فہرست میں شامل ہے جنھوں نے مولانا بگوی کی دعوت پر بھیرہ کا دورہ کیا اور اجتماعات سے خطاب فرمایا۔٦٣

حضرت ثالث کے دو اور خلفا خواجہ سید غلام فرید شاہ خوارزمی (م ۱۹۸۸ء)٦٤ اور شیخ نور محمد چشتی (۱۸۹۸ء۔۱۹۸۹ء)٦٥ کے اندر بھی اپنے شیخ کی طرح جہادی روح بدرجۂ اتم موجود تھی۔ آپ کے ان دونوں خلفا نے بھی تحریکِ خلافت اور تحریکِ عدم تعاون میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

خواجہ شمس العارفین کے خلیفہ سید غلام حیدر شاہ (۱۸۳۸ء۔۱۹۰۸ء) کے پوتے ابوالبرکات پیر سید محمد فضل شاہ جلال پوری نے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے ۱۹۲۷ء میں مسلمانانِ ہند کے اتحاد، استحکام اور اصلاح کے لیے ایک جماعت ''حزب اللہ'' بنائی۔ ''حزب اللہ'' کی تنظیم ایک روحانی فوج کے طور پر کی گئی جس کے سپاہی اپنی ذات سے یہ وعدہ کرتے کہ وہ اپنے مرشد کی قیادت میں مسلمانوں کے درمیان روحانی زندگی کے غلبے کے لیے خواہش نفس کے خلاف جہاد میں حصہ لیں گے، فرائض کی ادائیگی کو یقینی بنائیں گے، مسلمانوں کے اقتصادی حالات کی بہتری کے لیے کام کریں گے اور سیاسی طور پر مسلمانانِ ہند میں اتحاد پیدا کریں گے۔ یہ تنظیم مسلمانوں کو ایک ایسی تہذیبی قیادت فراہم کرنے کے لیے بنائی گئی جس کا استعماری طاقتوں کے ساتھ کوئی تعلق نہ ہو اور جو تصوف کے احیا اور اہلِ تصوف کے مذہبی تحفظات کو سیاسی انداز میں پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔٦٦

پیر فضل شاہ نے حضرت قائداعظم کی شخصیت میں اپنے مکمل اعتماد کا اظہار کیا۔ آپ نے اپنے کئی خطبات میں اس امر کا اعلان کیا کہ وہ اپنے پیروکاروں کے ساتھ قائداعظم کی غیر مشروط حمایت کریں گے۔ آپ نے اس بات کا بھی اعلان کیا کہ ''حزب اللہ'' مطالبہ پاکستان کی حمایت کرے گی اور اس کے حصول کے لیے کسی قربانی سے دریغ نہیں کرے گی۔٦٧ حزب اللہ کا دو روزہ سالانہ اجلاس ۱۸۔۱۹ مئی ۱۹۴۵ء کو جلال پور شریف میں منعقد ہوا۔ ابوالبرکات مولانا سید محمد فضل شاہ نے اپنے صدارتی خطبہ میں برطانوی حکومت کو مخاطب کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کے لیے ایک الگ وطن کے قیام کی ضرورت پر زور دیا۔٦٨ آپ

نے ہندوؤں کو مشورہ دیا کہ وہ اس حقیقت کو تسلیم کر لیں کہ پاکستان دُنیا کے نقشے پر ضرور اُبھرے گا۔ جب برطانوی حکومت اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گی تو ہندوؤں کو بھی بادلِ نخواستہ اس سچائی کو قبول کرنا ہی پڑے گا۔ جب تک دس کروڑ مسلمانوں میں سے ایک فرد بھی زندہ ہے ہم انگریزوں سے چھٹکارا پانے کے بعد ہندوؤں کی غلامی کو ہر گز قبول نہ کریں گے۔ ۶۹

خواجہ قمر الدین سیالوی اور انگریزی راج:

شیخ الاسلام خواجہ حافظ محمد قمر الدین سیالوی (۱۹۰۶ء۔۱۹۸۱ء) حضرت ثالث کے سب سے بڑے فرزند اور خانقاہِ سیال شریف کے چوتھے روحانی پیشوا تھے۔ جب حضور شیخ الاسلام ۱۹۲۹ء میں سریر آرائے مسندِ وعظ و ارشاد ہوئے تو اپنے محترم والدِ گرامی حضرت ثالث کی انگریز دشمنی بطورِ وراثت اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس لیے آپ نے غاصبوں کے خلاف ہر ممکن کوشش کی۔ ایک مرتبہ آپ کشوائی منزل میں کچھ دِن کے لیے قیام پذیر رہے اور اپنے سفر کے حالات بتاتے ہوئے فرمایا ''راستے میں ایک فرنگی نے میرے راستے میں حائل ہونے کی کوشش کی میں نے رائفل کا بٹ مار کر اس کا کام تمام کر دیا، پھر آپ نے فرمایا میں نے خنزیر کو ٹھکانے لگایا۔'' ۷۰

واں بھچراں کے ملک مظفر خان اپنے ایک انگریز دوست کے ساتھ سیال شریف حاضر ہوئے۔ انگریز کی بیوی کسی دماغی بیماری میں مبتلا تھی۔ علاج کے باوجود افاقہ نہیں ہو رہا تھا جب مسئلہ حضور شیخ الاسلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے اُسے کپڑوں سمیت غسل کرنے کا حکم دیا۔ غسل کرنے کے بعد وہ لیڈی بھلی چنگی ہو گئی۔ انگریز نے ۵۰ روپے پیش خدمت کیے شیخ الاسلام نے بے اعتنائی سے وہ روپے گندی نالی میں پھینک دیئے۔ ۷۱

خواجہ قمر الدین کی نفرت سفید چمڑی والوں سے نہیں بل کہ آپ کی نفرت غاصب حکمرانوں سے تھی۔ خواجہ شمس العارفین کے سالانہ عرس منعقدہ ۲۷۔۲۹ جون ۱۹۳۲ء میں ایک برطانوی نومسلم سر جلال الدین (لارڈ سر جیمز) نے نہ صرف عرس میں شرکت کی بل کہ حاضرین سے ''اسلام کی حقانیت'' کے موضوع پر خطاب بھی کیا۔ ۷۲

خواجہ قمر الدین سیالوی نے انگریز حکومت سے رائفل کا لائسنس جاری کرنے کا مطالبہ کیا۔ حکومت نے اس قسم کے اسلحہ کے لائسنس کی ضرورت بارے دریافت کیا۔ آپ نے جواب میں فرمایا ''یہ تلوار کا زمانہ نہیں ہے، میری خواہش ہے کہ اگر مجھے موقع ملے تو میں کچھ انگریزوں کو بندوق کا نشانہ بناؤں'' آپ سے یہ بھی کہا گیا کہ حکومت کے لیے اپنی خدمات گنوائیں تا کہ حکومت کو فیصلہ کرنے میں آسانی رہے کہ آپ لائسنس کے حق دار ہیں یا نہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا ''تمھیں میرے والد محترم خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی کی خدمات سے آگاہ ہونا چاہیے۔ تم اسی طرح کی خدمات کی توقع مجھ سے رکھ سکتے ہو''۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے ڈپٹی کمشنر سرگودھا کو بایں الفاظ جواب دیا:

> ''شاید تمھیں میرے والد خواجہ محمد ضیاء الدین سیالوی کے نام اور کارناموں سے واقفیت ہو۔ میں ان کا بیٹا ہوں، جیسی خدمات انھوں نے حکومت کے لیے انجام

دیں تم اسی طرح کے جذبات کی توقع مجھ سے رکھ سکتے ہو۔۳ے

حضور شیخ الاسلام فرمایا کرتے تھے کہ وہ لائسنس کے اجراء سے بالکل مایوس ہو چکے تھے۔ایک رات آپ نے خواب میں اپنے والدِ گرامی کو یہ فرماتے دیکھا ''قمر الدین مایوس نہیں ہونا'' پھر آپ نے اسلحہ سے بھرے ہوئے ایک کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''اپنی پسند کی رائفل اٹھالو'' کچھ ہی دنوں بعد ڈپٹی کمشنر نے رائفل کا لائسنس آپ کی خدمت میں ارسال کردیا۔۴ے

حضور شیخ الاسلام ۱۹۳۱ء کے موسمِ سرما میں اپنی رہائش گاہ میں جلتی ہوئی انگیٹھی کے قریب تشریف فرما تھے کہ پنجاب کے گورنر کی جانب سے ایک خط موصول ہوا۔آپ کی خدمت میں موجود لوگوں میں سے ایک نے خط پڑھ کر اس کے معانی کی وضاحت کی جو کچھ اس طرح تھا۔گورنر صاحب کی سفارش پر شاہِ برطانیہ عظمیٰ نے آپ کو ''ہز ہولی نیس'' کا خطاب عطا کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔خواجہ صاحب نے غضب ناک ہو کر اس خط کے ٹکڑے ٹکڑے کیے اور اسے جلتی ہوئی انگیٹھی میں پھینک دیا۔۵ے

''ہز ہولی نیس'' مذہبی شخصیات کو حکومت برطانیہ کے جانب سے عطا کیا جانے والا اعلیٰ ترین اعزاز تھا۔پیر سیال نے فرمایا ''سب سے بڑی عزت یہ ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام اور پیر پٹھان شاہ سلیمان تونسوی کا فیض یافتہ خادم ہوں۔جب یہ نعمتیں میرے پاس ہیں تو دنیا کی ہر دوسری چیز میری نظر میں ہیچ ہے۔۶ے

سیال شریف اور گرد و نواح میں ۱۹۲۹ء کا سیلاب بہت تباہ کن تھا۔تمام رہائشی عمارتیں، مہمان خانے اور مدرسہ کی عمارت سب زمین بوس ہو گئے۔برطانوی حکومت کے وزیرِ تعلیم ملک فیروز خان نون (۱۸۹۳ء۔۱۹۷۰ء) (جو بعد میں وزیرِ اعظم پاکستان بھی بنے) نے سیلاب سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا اور شیخ الاسلام کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ملک صاحب نے دیکھا کہ سیال شریف میں دربار شریف کے علاوہ ہر چیز صفحۂ ہستی سے مٹ چکی تھی۔وزیرِ تعلیم نے حکومت کی جانب سے بحالی کے کاموں کے لیے ایک بڑی رقم کی پیش کش کی لیکن پیر سیال نے غاصب حکومت سے کسی بھی طرح کی مدد لینے سے انکار کردیا۔۷ے

حضرت قمر الدین سیالوی کے دورِ سجادگی میں عیسائی مشنریوں کی سرگرمیاں برصغیر کے طول و عرض میں پھیل چکی تھیں۔آپ کو اطلاع ملی کہ براؤن نامی ایک پادری نے سِلاں والی میں اپنا مرکز قائم کرلیا ہے۔وہ گلیوں اور بازاروں میں گھوم پھر کر عیسائیت کی تبلیغ کررہا ہے۔وہ لوگوں کو جمع کرکے دینِ اسلام کے حوالہ سے بے بنیاد اعتراضات کو ہوا دیتا ہے۔اس طرح کے الزامات اور اعتراضات اُٹھا کر لوگوں کے ذہنوں میں اسلام کے حوالہ سے غلط فہمیاں پیدا کرتا ہے اور پھر انھیں عیسائیت کی جانب راغب کرتا ہے۔پادری کی سرگرمیوں بارے سن کر حضور شیخ الاسلام اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر سِلاں والی روانہ ہو گئے۔سیدھے پادری کے قائم کردہ مرکز پہنچے اور اسے مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔پادری نے چیلنج قبول کرلیا۔خواجہ صاحب نے اپنی تقریر میں بائبل میں ہونے والی تحریفات سے پردہ اٹھایا اور مضبوط دلائل کے ذریعے اپنی بات کو ثابت کیا۔پادری براؤن اپنے علم اور تقریری

صلاحیت پر بڑا نازاں تھا لیکن پیر سیال کا بیان اور دلائل سن کر سراسیمہ ہوگیا۔ بائبل کو زمین پر پٹخ کر یہ کہتے ہوئے بھاگ نکلا کہ ''ہماری کتاب یقیناً تحریف شدہ ہے''۔۷۸

ایک اسی طرح کا واقعہ ظہور الحق قریشی نے بھی بیان کیا ہے جو سیال شریف کے قریب ایک سڑک کے کنارے پیش آیا۔ شیخ الاسلام ایک پادری کے قائم کردہ عارضی مرکز پہنچے اور ایک زوردار تقریر میں بائبل کی تحریفات سے پردہ اٹھایا تو پادری اپنا مرکز اٹھا کر کسی اور علاقے کی جانب روانہ ہوگیا۔۷۹

اسی طرح کا ایک اور واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ ۱۸ جنوری ۱۹۳۵ء کو خواجہ قمر الدین سیالوی سیال شریف کے جنوب مشرق میں ۱۲ میل کے فاصلے پر واقع کوٹلہ فتح خان پہنچے۔ ایم ایم براؤن نامی عیسائی پادری، اس کی بیوی اور تین معاون پادری عیسائیت کی تبلیغ میں مصروف تھے۔ آپ نے ان سے گفتگو شروع کردی اور دورانِ گفتگو ثابت کردیا کہ بائبل ایک تحریف شدہ کتاب ہے۔ آپ نے ''عقیدہ تثلیث'' اور ''عقیدہ کفارہ'' کو بھی دلائل کے ذریعے مسترد کیا۔ پادری اپنے حواریوں سمیت کتابیں بغل میں دبائے بھاگ نکلا۔۸۰

خواجہ قمر الدین سیالوی اور تحریک پاکستان:

مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کو قراردادِ پاکستان منظور ہوئی۔ منٹو پارک میں ہونے والے اس تاریخی اجلاس میں خواجہ قمر الدین سیالوی نے بنفسِ نفیس شرکت فرمائی۔ صاحب زادہ محمد عبدالرسول کا بیان ہے کہ ۱۹۴۰ء کے سیاسی طور پر مشکل عشرہ میں خواجہ قمر الدین سیالوی مسلم لیگ ضلع سرگودھا کے صدر اور تحریک پاکستان کے مشعل بردار تھے۔۸۱

پنجاب کے وزیر اعلیٰ سر سکندر حیات خان (۱۸۸۲ء۔۱۹۴۶ء) نے ۱۹۴۲ء میں خواجہ قمر الدین سیالوی کے نام ایک خط میں درخواست کی کہ آپ آل انڈیا مسلم لیگ کی حمایت سے ہاتھ اٹھالیں کیوں کہ اس پارٹی کے رہنما جناح صاحب کا تعلق اہل تشیع سے ہے۔ خواجہ صاحب نے نے جوابی خط میں دریافت کیا کہ آپ کے لیڈر سر چھوٹو رام (۱۸۸۱ء۔۱۹۴۵ء) کا تعلق کیا اہلِ سنت والجماعت سے ہے؟ اس جواب پر سر سکندر حیات نے چپ سادھ لی۔۸۲

ضلع سرگودھا کی مسلم لیگ ۱۹۴۲ء میں دو گروہوں میں بٹ گئی۔ ایک گروہ کی قیادت نواب محمد حیات قریشی اور دوسرے گروہ کی قیادت نواب اللہ بخش ٹوانہ کررہے تھے۔ سر سکندر حیات کی مصالحتی کوششوں سے دونوں سیاسی گروہ اس شرط پر مدغم ہونے پر راضی ہوگئے کہ مولانا خواجہ محمد قمر الدین سجادہ نشین سیال شریف، جو کہ دونوں نوابوں کے مرشد ہیں، کو سرگودھا مسلم لیگ کا صدر بنادیا جائے۔ خواجہ صاحب نے اس حیثیت سے قیام پاکستان تک خدمات انجام دیں۔۸۳

مشائخ سیال شریف کا شمار نئے شعور والے پیرانِ عظام میں ہوتا ہے جنھوں نے مسلم لیگ کی حمایت کے لیے عملی سیاست میں حصہ لیا۔ حالاں کہ آپ کے دولت مند ترین مریدوں میں سے شاہ پور کے ٹوانے بھی تھے جن کی سیاسی وابستگی قیام پاکستان تک یونی نسٹ پارٹی کے ساتھ رہی۔ ٹوانہ خاندان کے ایک بڑے زمیندار نواب اللہ بخش نے واضح سیاسی اختلاف کے

باوجود پیر سیال کے ساتھ اپنے مذہبی تعلق کو برقرار رکھا۔ اپنی وفات سے پہلے ۱۹۴۸ء میں نواب اللہ بخش نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنے خاندانی قبرستان کے لیے ۱۵ مربع وقف زمین کا متولی پیر سیال کو بنانا چاہتے ہیں۔۸۴

خواجہ قمر الدین سیالوی نے ۱۹۴۶ء میں ہونے والی آل انڈیا سنی کانفرنس منعقدہ بنارس میں بہت سے علما اور مشائخ کے ہم راہ شرکت کی جن میں مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی، مولانا نعیم الدین مراد آبادی (۱۸۸۷ء۔۱۹۴۸ء)، مولانا مصطفیٰ رضا خان (پیدائش ۱۸۹۲ء)، مولانا امجد علی (۱۸۸۲ء۔۱۹۴۸ء)، مولانا عبدالعلیم میرٹھی (۱۸۹۲ء۔۱۹۴۵ء)، مولانا ابوالحسنات محمد احمد، مولانا ابوالبرکات سید احمد، مولانا الحامد بدایوانی، دیوان سید آلِ رسول اجمیری، شاہ عبدالرحمان بھرچونڈی، محمد امین الحسنات مانکی شریف اور مصطفیٰ علی خان۔۸۵

کانفرنس میں اس بات پر اتفاق کیا گیا کہ مسلم لیگ کے مطالبہ پاکستان کی حمایت کی جائے گی۔ اہلِ سنت کے علما اور مشائخ ایک اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ہر ممکن قربانی کے لیے تیار ہیں۔ سول نافرمانی کی تحریک کے دوران حضور شیخ الاسلام مسلم لیگ ضلع سرگودھا کے صدر تھے۔ سیاست دانوں کا خیال تھا کہ یہ تحریک ضلع سرگودھا میں کامیاب نہیں ہوگی لیکن خواجہ صاحب نے تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ اس طرح آپ کے ہزاروں مریدین نے بھی خود کو گرفتاری کے لیے پیش کیا۔۸۶

تحریک پاکستان کے دوران بھی آپ کو گرفتار کیا گیا۔ حکومت نے آپ کی ساڑھے گیارہ مربع زمین ضبط کر لی لیکن آپ نے پاکستان کے لیے اپنی حمایت میں کمی نہیں آنے دی۔۸۷

خواجہ قمر الدین سیالوی اور شمال مغربی سرحدی صوبہ کا استصوابِ رائے:

تقسیم ہند کے وقت شمال مغربی سرحدی صوبہ میں جب پاکستان میں شمولیت کے سوال پر استصواب رائے کرایا گیا تو سرحدی گاندھی عبدالغفار خان (۱۸۹۰ء۔۱۹۸۸ء) اور انڈین نیشنل کانگریس کے دوسرے رہنما، اس صوبے کے پاکستان کے ساتھ الحاق کے مخالف تھے۔ اس نازک وقت پر خانقاہوں کے سجادگان نے اہم کردار ادا کیا۔ پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف اور خواجہ قمر الدین سیالوی نے مل کر صوبے کے تمام شہروں کا دورہ کیا۔ جگہ جگہ جلسوں میں لوگوں پر زور دیا کہ وہ مسلم لیگ کا ساتھ دیں اور استصوابِ رائے میں پاکستان کے حق میں رائے دیں۔۸۸

بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح (۱۸۷۶ء۔۱۹۴۸ء) نے خواجہ قمر الدین سیالوی کے نام اپنے خط میں شمال مغربی سرحدی صوبے میں استصواب رائے کے دوران آپ کی خدمات کو سراہا اور پاکستان کے لیے آپ کی غیر مشروط حمایت کا شکریہ ادا کیا۔۸۹ خواجہ قمر الدین سیالوی نے بھی حضرت قائد اعظم کو ۷ اجولائی ۱۹۴۷ء کو ایک خط ارسال کیا جس میں آپ نے پاکستان میں اسلامی قانون کے نفاذ پر زور دیا۔ قائد اعظم نے اپنے جوابی خط میں لکھا ''میں نے آپ کے خط میں تحریر کردہ تجاویز کو نوٹ کر لیا ہے اور میں یقیناً انھیں زیرِ نظر رکھوں گا''۔۹۰

خلفائے شیخ الاسلام کی خدمات:

حاجی محمد مرید احمد چشتی نے ۱۸ شخصیات کا ذکر کیا ہے جنھیں شیخ الاسلام خواجہ محمد قمر الدین سیالوی نے خلافت عطا کی۔۹۱ خلفائے شیخ الاسلام میں علم وفضل کے حوالہ سے سب سے زیادہ نمایاں جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری (۱۹۱۸ء۔۱۹۹۸ء) ہیں۔آپ سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت ایپلنٹ بنچ میں جج کی حیثیت سے خدمات انجام دیتے رہے۔آپ نے نہایت شستہ اُردو زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر لکھی جو ضیاء القرآن کے نام سے بہت معروف ہے۔۹۲

رسولِ کریمؐ کی سیرت پر دو کتب ضیاء النبی (الازہری، ۱۹۹۵ء) اور سنت خیر الانام (الازہری، ۱۹۶۶ء) کے علاوہ بہت سی چھوٹی بڑی کتب آپ کے کارناموں میں شامل ہیں۔آپ نے تحریکِ پاکستان میں حصہ لیا اور سول نافرمانی کی تحریک میں بھی شامل رہے۔آپ کے والدِ گرامی پیر حافظ محمد شاہ بھیروی سات سمندر پار سے آنے والے غاصب حکمرانوں کے سخت خلاف تھے۔آپ کا فرمانا تھا ''اگر میرے مریدین میں سے کسی نے پاکستان کو ووٹ دینے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا تو اس کا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا۔۹۳

پروفیسر احمد بخش کے مطابق آپ نے اپنے مریدوں سے کہا ''جو کوئی ہم سے تعلق برقرار رکھنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ مسلم لیگ کی حمایت کرے اور جو کوئی اس معاملے میں یکسو نہیں ہے اس کا امیر السالکین کی خانقاہ سے کوئی تعلق نہیں۔''۹۴

مولانا عطا محمد بندیالوی (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۹ء) نے اپنے ایک مصاحبہ میں بتایا کہ ۱۹۴۶ء میں تحریکِ پاکستان اپنے عروج پر تھی اور میں ان دنوں بھیرہ شریف میں درس وتدریس کے ساتھ وابستہ تھا۔پیر محمد شاہ انتخابی مہم کو جہادی سرعت کے ساتھ چلا رہے تھے۔انتخابی مہم کے لیے آپ مختلف علاقوں کا دورہ کرتے تو اس کا پروگرام پہلے سے شائع کر دیا جاتا۔مسلم لیگ کا پیغام ہر گاؤں تک پہنچانے کے لیے مولانا بندیالوی، مدرسہ امیر السالکین کے دیگر اساتذہ اور طلبہ بھی پیر محمد شاہ صاحب کے ساتھ ہوتے۔۹۵

۱۹۴۶ء میں پیر حافظ محمد شاہ بھیروی نے مسلم لیگ کی انتخابی مہم کو پوری تن دہی سے چلایا۔تحصیل بھلوال کے ایک قصبے للیانی میں ایک عوامی جلسے سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ''اے میرے مسلمان بھائیو! اس بات سے آگاہی بہت ضروری ہے کہ موجودہ انتخابات مفادات کے حصول کی جنگ نہیں بل کہ حق اور باطل کی جنگ ہے۔ایک جانب قرآن کریم اور دوسری جانب ہندوؤں کی مذہبی کتاب پوتھی ہے۔ایک طرف اسلام ہے اور دوسری طرف کفر ہے۔ایک نقطۂ نظر مسلم لیگ کا ہے اور ایک نقطۂ نظر کانگریس اور اس کی اتحادی یونی نسٹ پارٹی کا ہے۔میں تمھیں مسلم لیگ، قرآن اور اسلام کی حمایت کا حکم دیتا ہوں۔۹۶

دار العلوم ضیاء شمس الاسلام کے ایک سابقہ ناظم ڈاکٹر تسخیر احمد کا بیان ہے کہ جب وہ انگلستان کی کیمبرج یونی ورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری لے کر وطن واپس آئے تو ولایت سے تعلیم یافتہ دیگر مقامی مسلمانوں کی طرح وہ بھی گلے میں باقاعدگی سے

ٹائی باندھا کرتے تھے۔ حضور شیخ الاسلام نے آپ کو نصیحت کی کہ صلیب سے مشابہت کی وجہ سے آپ ٹائی نہ باندھا کریں۔ مرشد کی نصیحت پر کیمبرج سے تعلیم یافتہ اور شیخ الاسلام سے فیض یافتہ ڈاکٹر تسخیر احمد نے اس کے بعد نکٹائی کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا۔ ۹۷

صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان (۱۹۰۷ء۔۱۹۷۴ء) نے جب ڈاکٹر صاحب کو ایک حکومتی ذمہ داری کے سلسلے میں راولپنڈی طلب کیا تو آپ کے بہت سے دوستوں نے ملاقات کی نوعیت کے پیشِ نظر سوٹ کے ساتھ نکٹائی باندھنے پر اصرار کیا لیکن آپ نے اپنے شیخ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اس ظاہر داری سے صاف انکار کر دیا۔ ۹۸

جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ کے بانی مولانا محمد ذاکر چشتی (۱۹۰۳ء۔۱۹۷۶ء) بھی حضور شیخ الاسلام کے خلیفہ تھے۔ آپ نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کی، قائد اعظم کی کھل کر حمایت کی اور تحریک پاکستان میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ۹۹

پیر سیال غاصب قوتوں کے خلاف نفرت کو اپنے مریدین میں ہمیشہ تر و تازہ رکھتے۔ اس طرح سیال شریف سے فیض یافتہ تمام روحانی خانقاہوں نے تحریک پاکستان کے لیے سخت جدو جہد کی۔ یہ پیر سیال کے تمام چاہنے والوں اور خلفا کی کوششیں اور ان کے ووٹ ہی تھے کہ جن کی وجہ سے مسلم لیگ کامیاب ہوئی اور ایک نئی اسلامی مملکت دنیا کے نقشے پر اُبھری۔

صوفیائے سیال شریف کا تحریکِ آزادی میں ایک اہم کردار رہا۔ انھوں نے نا صرف برطانوی راج کی ہر ممکن مخالفت کی بلکہ بہت سی انگریز مخالف تحاریک میں جیسے کہ تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت، تحریکِ عدم تعاون اور تحریکِ پاکستان میں بھرپور حصہ لیا۔

خانوادۂ پیر سیال کی جہادی کوششیں:

خانوادۂ پیر سیال کی چار نسلوں کی خدمات کو سنہری حروف میں لکھا جانے چاہیے۔ حدیثِ رسولؐ کے مطابق جہاد کے تین درجے ہیں۔ ۱۰۰

اس خانوادہ نے تینوں طرح کے جہاد کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا۔ فرمانِ رسولؐ ہے کہ جہاد، تلوار، زبان اور دِل سے کیا جاسکتا ہے۔ ۱۰۱

نبی کریمؐ کی حیاتِ مبارکہ مذکورہ بالا تینوں طرح کے جہاد سے عبارت تھی۔ نزولِ وحی سے پہلے کی زندگی میں آپؐ نے جہاد بالقلب کا مظاہرہ کیا اور اپنے ہم وطنوں کے بُرے اعمال کو دل سے بُرا جانا۔ بعثت کے بعد کی مکی زندگی میں آپ نے جہاد باللسان میں حصہ لیا اور اپنے ہم وطنوں کے غلط عقاید اور بُرے اعمال کو زبان کے ذریعے سنوارنے کی کوشش کی۔ مدنی دور میں نبیؐ نے دفاعِ اسلام کے لیے تلوار اٹھائی۔ خواجہ شمس العارفین غاصب حکومت کے خلاف تھے لیکن زبان اور تلوار سے جہاد نہیں کر سکتے تھے۔ انگریزوں سے آپ کی نفرت کا یہ عالم تھا کہ آپ کسی انگریز کو دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ مسلمانانِ ہند اس دور میں ایسی حیثیت نہیں رکھتے تھے کہ وہ غاصب حکمرانوں کے خلاف کچھ کہیں یا ان سے جنگ لڑ سکیں۔ خواجہ محمد الدین سیالوی ثانی لاثانی نے

اپنی زبان سے جہاد کے تقاضے پورے کیے۔ آپ بہت سے انگریزوں سے ملے اور منطقی انداز میں ان کے عقاید کی قطعی کھولی لیکن آپ کی گفتگو وَجَادِلْھُم بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ ۱۰۲ (اوران کے ساتھ انتہائی دِل کش انداز میں تبادلہ خیال کیجئے) کی عملی تفسیر ہوتی۔ حضرت ثالث خواجہ ضیاء الدین سیالوی نے نوآبادیاتی حکمرانوں کے خلاف اپنی سیاسی سرگرمیوں کے ذریعے عملی جہاد میں حصہ لیا۔ بیرونی حکمرانوں کی مخالفت میں آپ بہت جلالی واقع ہوئے تھے۔ اسی لیے آپ کا وجودِ مسعود برطانوی حکومت کے لیے بہت سے اقتصادی نقصانات کا باعث تھا۔ آپ نے بھی تحریکِ خلافت، تحریکِ ہجرت اور تحریکِ عدن تعاون میں بھرپور حصہ لیا۔

سیال شریف کے سلسلۂ خلفا کے چوتھے فرد شیخ الاسلام خواجہ محمد قمرالدین سیالوی کی شخصیت میں جہاد کے تینوں درجے بیک وقت موجود تھے۔ آپ نوآبادیاتی حکومت کو سخت ناپسند کرتے اور آپ نے اپنی اس کراہت کو بہت سے مواقع پر ظاہر بھی کیا۔ آپ نے بائبل کی تحریفات کے حوالہ سے عیسائی مبلغین کو مناظروں میں شکست فاش دی۔ حضور شیخ الاسلام نے غاصب حکمرانوں کے خلاف اپنے جہاد کو قید و بند اور جائیداد کی ضبطی یا اس طرح کے کسی بھی نتیجے کی پروا کیے بغیر جاری رکھا اسی لیے تحریکِ آزادی میں آپ کے کردار کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

اعتراف:

مضمون نگار شمالی کیرولینا یونی ورسٹی، امریکہ کے شعبہ تاریخ کے پروفیسر ڈیوڈ گل مارٹن کا تہہ دل سے شکرگزار ہے کہ انھوں نے میرے مضمون کے ابتدائی مسودے کو بڑی عرق ریزی سے پڑھ کر مفید مشوروں سے نوازا۔ آپ کے انھی مشوروں کی بدولت یہ مضمون موجودہ بہتر صورت میں سامنے آیا۔

حوالہ جات

۱۔ ابن حجر، ۹:۱۱، رازی، ۵۷:۲۰۰۰

۲۔ گل مارٹن ۱۹۷۹:۴۹۹

۳۔ چشتی، حاجی محمد مرید احمد، فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ادارہ تعلیمات اسلاف، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۵۹

۴۔ تسخیر احمد، ڈاکٹر، دار العلوم ضیاء شمس الاسلام، سیال شریف کی سوا سو سالہ خدمات، علمی پرنٹنگ پریس، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ص ۱۳۔۱۴

۵۔ قصوری، محمد صادق، اکابر تحریک پاکستان، مکتبہ رضویہ، گجرات، ۱۹۷۶ء، ج ۱، مقدمہ

۶۔ کاظمی، عطا محمد، حکیم، یادِ ایام، ثنائی پریس، ۱۹۸۰ء، ص ص ۲۴۴، ۳۹۸

۷۔ Louis Dupree, The First Anglo-Afghan War and the British Retreat of 1942: The Functions of History and Folklore, vol.26, No. 3/4, September-December 1976, p.506

۸۔ چشتی، حاجی محمد مرید، ص ۶۳

۹۔ Howard Hensman, The Afghan War of 1879-80, London: H. Allen & Co., 1881, Reprint by Sang-e-Meel, Lahore, 1999, p.462.63

۱۰۔ Jeffrey Greenhut, Review "My God - Maiwand: Operations of the South Afghanistan Field, 1980, p.99

۱۱۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخِ مشائخ چشت، آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، کراچی، ۱۹۷۵ء، ج ۵، ص ۳۷۳

۱۲۔ غنی، ڈاکٹر، عبدل، ملفوظاتِ حیدری، ندرت پرنٹرز، لاہور، س ن، ص ۲۳۰

۱۳۔ مترجم: غلام نظام الدین، صاحب زادہ، مراۃ العاشقین، تصوف فاؤنڈیشن، لاہور، ۲۰۱۱ء، ص ۱۹۷

۱۴۔ نظامی، خلیق احمد، تاریخِ مشائخ چشت، کراچی، آکسفورڈ یونی ورسٹی پریس، ۱۹۷۵ء، ج ۵، ص ص ۷۰۸۔۷۰۶

۱۵۔ چشتی، حاجی محمد مرید احمد، فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، ادارہ تعلیمات اسلاف، لاہور، ۱۹۹۷ء، ۱۰ام ل ۸۰۔۷۴

۱۶۔ کوہاٹی، محمد صحبت خان، ڈاکٹر، فروغِ علم میں خانوادۂ سیال شریف اور ان کے خلفاء کا کردار، انجمن قمر الاسلام، کراچی، ۲۰۱۰ء، ص ص ۱۱۲۔۱۱۶

۱۷۔ Gilmartin, David, Empire and Islam: Punjab and making of Pakistan, New Delhi: Oxford University Press, 1989, p.59

۱۸۔ Dilmartin, David, Shrinnes, Succession and Sources of Moral Authority, in Barbara Daly Metcalf ed, Moral and Religious Authority: The place of Adab in South Asian Islam, London, University of California Press Ltd, 1984, p.232

۱۹۔ Dilmartin, David, Shrinnes, Succession and Sources of Moral Authority, in Barbara Daly Metcalf ed, Moral and Religious Authority: The place of Adab in South Asian Islam, London, University of California Press Ltd, 1984, p.272

۲۰۔ فاروقی، اقبال احمد، تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت، لاہور، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۲۸۸

۲۱۔ بے خود، جالندھری، غلام دستگیر خان، مولانا محبوب سیال، مکتبہ مفید عام، لاہور، ۱۳۴۳ھ، ص ۱۲۷

۲۲۔ بے خود، جالندھری، غلام دستگیر خان، مولانا محبوب سیال، مکتبہ مفید عام، لاہور، ۱۳۴۳ھ، ص ص ۱۲۰۔۱۳۰

۲۳۔ المائدہ، ۵:۳۔۷

۲۴۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، لاہور: ادارہ تعلیماتِ اسلاف، لاہور، ج ۱، ص ص ۱۳۴۔۱۳۵

۲۵۔ بگوی، انوار احمد، ڈاکٹر، صاحب زادہ، تذکارِ بگویہ، مجلس حزب الانصار پاکستان، بھیرہ، ۲۰۰۴ء، ج ۱، ص ص ۲۱۱۔۳۲۲

۲۶۔ بے خود، جالندھری، غلام دستگیر خان، مولانا، محبوب سیال، مکتبہ مفید عام، لاہور، ۱۳۴۳ھ، ص ص ۳۹۔۴۰

۲۷۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، انجمن قمر الاسلام، کراچی، ج ۲، ۲۰۱۰ء، ص ۳۵۸

۲۸۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، بزم شیخ الاسلام، دینہ، جہلم، ۲۰۰۵ء، ج ۳، ص ۲۳۴

۲۹۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، فوز المقال فی خلفائے پیر سیال، بزم شیخ الاسلام، دینہ، جہلم، ۲۰۰۵ء، ج ۳، ص ۲۵۷

۳۰۔ بگوی، انوار احمد، ڈاکٹر، صاحب زادہ، تذکارِ بگویہ، مجلس حزب الانصار، پاکستان، ۲۰۰۴ء، ج ۱، ص ۴۲۷

۳۱۔ تذکارِ بگویہ، ص ۴۶۵

۳۲۔ فوز المقال، ج ۳، ص ص ۲۵۵۔۲۵۷

۳۳۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۵

۳۴۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۳۳

۳۵۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ص ۲۵۶۔۲۵۷

۳۶۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۵

۳۷۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ۱۵۵

۳۸۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲۷

۳۹۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۲۷

۴۰۔ **Qureshi, Muhammad Naeem, Ran-Islam in British India: The Politics of Khalafat Movement, Karachi: Oxford University Press, 2009, pp126-172**

۴۱۔ چشتی، محمد مرید احمد، حاجی، ۲۰۰۵ء، ص ۲۵۶

۴۲۔ علی محمد، حکیم، مجاہد ملت خواجہ ضیاء الدین سیالوی، ضیائے حرم، اشرف الاولیاء نمبر، ج ۳۶، نمبر ۱۱۔۱۲، اگست، ستمبر ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۶

۴۳۔ علی محمد، حکیم، اگست ستمبر، ۲۰۰۶ء، ص ۱۶۷

۴۴۔ گِل مارٹن، ۱۹۸۹ء، ص ۶۴

۴۵۔ علی محمد، حکیم، اگست ستمبر، ۲۰۰۶ء، ص ۱۵۶

۴۶۔ ضیاء الدین، ۱۹۲۰

۴۷۔ **Gilmartin, 1989, p.64**

۴۸۔ چشتی،، ۲۰۰۷ء، ص ص ۲۵۷۔۲۷۸

۴۹۔ ضیاءالدین،۱۹۲۰ء

۵۰۔ چشتی،۲۰۰۳ء،ص ۵۳۷

۵۱۔ علی،۲۰۰۶ء،ص ۱۵۶

۵۲۔ علی،۲۰۰۶ء اور چشتی،۲۰۰۳ء،ص ۵۳۷

۵۳۔ رشید،۱۹۲۰ء،ص ص ۳۶۸۔۳۷۳

۵۴۔ قریشی،۲۰۰۹ء،ص ۱۳۶

۵۵۔ چشتی،۲۰۰۳ء،ص ۵۶۲

۵۶۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص ص ۳۹۷۔۳۹۸

۵۷۔ بگوی،۲۰۰۴ء،ص ۴۵۲

۵۸۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص ص ۳۹۷۔۳۹۸

۵۹۔ بگوی،۲۰۰۴ء،ص ۴۵۲

۶۰۔ بگوی،۲۰۰۴ء،ص ۴۵۶

۶۱۔ ماہنامہ شمس الاسلام،۱۹۴۵ء،ص ۲۶

۶۲۔ بگوی،۲۰۰۴ء،ص ۴۵۴

۶۳۔ بگوی،۲۰۰۴ء،ص ص ۴۶۴۔۴۶۵

۶۴۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص ۴۷۴

۶۵۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص ۷۰۶

۶۶۔ Gilmartin, 1989, p.69

۶۷۔ Gilmartin, 1965, p.406-407

۶۸۔ Gilmartin, 1965, p.407-408

۶۹۔ Gilmartin, 1965, p.406

۷۰۔ Aziz, 198:52-53

۷۱۔ چشتی،۲۰۰۷ء،۱۵۱

۷۲۔ ماہنامہ شمس الاسلام،۱۹۳۲:۴۸

۷۳۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص ص ۱۵۰۔۱۵۱

۷۴۔ خورشید،۱۹۸۱ء،ص ص ۳۰۔۳۱

۷۵۔ الازہری،۱۹۸۰ء،ص ۱۷۵ اور چشتی،۲۰۰۷ء،ص ۴۲۷

۷۶۔ رضا،۱۹۸۴ء،ص۲۲

۷۷۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص۱۵۷

۷۸۔ ماہ نامہ ضیائے حرم،۱۹۸۰ء،ص۱۲۷۶اور چشتی،۲۰۰۷ء،ص ص۵۱۱۔۵۱۲

۷۹۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص۵۱۳

۸۰۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص۵۱۴اور ماہ نامہ شمس الاسلام بھیرہ،فروری۱۹۳۵ء،ص۳۳

۸۱۔ رسول،۲۰۰۶ء،ص۲۹۵

۸۲۔ اقبال،۱۹۸۴ء،ص ص۱۶۔۱۷

۸۳۔ کلیم،۱۴۰۲ء،ص۲۸

۸۴۔ **Gilmartin, 1979, p.510**

۸۵۔ چشتی،۲۰۰۸ء،ص ص۲۱۱۔۲۰۸

۸۶۔ ماہ نامہ ضیائے قمر،۱۹۸۱ء،ص۸۸

۸۷۔ قصوری،۱۹۷۶ء،ص۲۰۱

۸۸۔ ہفت روزہ استقلال،لاہور،۱۹۹۱ء،ص۱۶

۸۹۔ چشتی،ص ص۲۵۰۔۲۵۳اور ضیائے حرم،شیخ الاسلام نمبر،ج۶،ص۵۵

۹۰۔ چشتی،۲۰۰۸ء،ص۱۷۹

۹۱۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص ص۱۲۷۔۱۲۸

۹۲۔ شاہ،۲۰۰۸ء،ص۵۶

۹۳۔ مرتضیٰ،۱۹۸۰ء،ص۲۶۳

۹۴۔ بخش،۲۰۰۵ء،ص۱۰۵

۹۵۔ ماہ نامہ ندائے اہلِ سنت،فروری۱۹۹۰ء،ص۶

۹۶۔ چاند،۱۹۸۱ء،ص۱۱۲

۹۷۔ احمد،۱۹۸۱ء،ص۱۱۲

۹۸۔ چشتی،۲۰۰۷ء،ص۱۷۷

۹۹۔ قصوری،۱۹۷۶ء،ص۲۳۴

۱۰۰۔ صحیح مسلم،کتاب الایمان،حدیث نمبر۷۳

۱۰۱۔ سنن ابی داؤد،کتاب الصلوۃ،حدیث نمبر۹۶۵

۱۰۲۔ النحل۱۶:۱۲۵

حوالہ جات

1. Abdul Ghani, Dr., Malfuzat-e-Hayderi, Lahore: Nudrat Printers, n. d.
2. Ahmad Bakhsh, Prof. Hafiz, Jamal-e-Karam, Lahore, Zia ul Qur'an Publications, 2005, vol. 1.
3. Al-Azhari, Pir Muhammad Karam Shah, Diya' al-Nabi, Lahore, Zia ul Quran Publication, n. d.
4. Al-Azhari, Pir Muhammad Karam Shah, Shaykh al-Islam Maulana DafiD Khwaja Muhammad Qamar al-Din, Ashraf al-Auliya Number.
5. Ali Muhammad, Hakim, Mujahid-i-Millat Khwaja Diya' al-Din Sialwi, Zia-e-Haram, Ashraf al-Auliya Number, vol. 36, No. 11-12, August-Sept. 2006.
6. Al-Qur'an 5:73.
7. Ata Muhammad, Hakim, Yad-e-Ayyam, Zia-e-Haram, Shams al-Arifin Number, January 1980.
8. Aziz Ahmad, Sahibzada, Shaykh al-Islam Hamahgir Sakhsiyat, Zia-e-Haram, October 1981; Also in Chishti, Muhammad Murid Ahmad, Haji, Fauz al-Maqal f Khulafa'-e Pir Sial, vol. 4.
9. Bekhud Jalundhari, Ghulam Dastgir Khan, Maulana, Mahbub Sial, Lahore: Matba Mufid-e- 'Aam, 1343 A. H.
10. Bugwi, Anwar Ahmad, Dr. Sahibzada, Tadhkar-e-Bugwiyah, Bhera: Majlis Hizb al-Ansar, Pakistan, 2004) Vol. 1.
12. Bugwi, Zahur Ahmad, Maulana, Akhari Paigham-i-Haq, Bhera:Hizb al-Ansar & Monthly, Shams ul Islam, July 1945.

14. Chishti, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial vol. 6.

15. Chishti, Muhammad Murid Ahmad, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial, Karachi: Anjuman Qamar al-Islam, 2010, vol. 2.

17. Chishti, Muhammad Murid Ahmad, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial, Dinah, Jhelum: Bazm-e-Shaykh al-Islam, May 2005, vol. 3.

19. Chishti, Muhammad Murid Ahmad, Haji, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial, Lahore: Idarah Ta'limat-e-Aslaf, October, 1997, vol. 1

20. Chishti, Muhammad Murid Ahmad, Haji, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial, Karachi: Anjuman Qamar al-Islam, October 2007, Vol. 4.

21. Chishti, Muhammad Murid Ahmad, Haji, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial, Karachi: Anjuman Qamar al-Islam, October 2007, Vol. 3.

22. Chishti, Muhammad Murid Ahmd, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial, Vol. 5.

23. Chishti, Sayyid Muhammad Zakir Husain Shah, al-Mustafa wa'l-Murtaza: Tadhkirah Shamsiyah, Chishtiya Lahore:Zia ul Qur'an Publications, 2003.

24. David Gilmartin, Empire and Islam: Punjab and Making of Pakistan, New Delhi:Oxford University Press, 1989.

25. David Gilmartin, Religious Leadership and Pakistan movement in the Punjab, Modern Asian Studies 13:3, 1979.

26. David Gilmartin, 'Shrines, Succession and sources of Moral

Authority ' in Barbara Daly Metcalf(ed.), Moral and Religious Authority: The Place of Adab in South Asian Islam (London: University of California Press Ltd., 1984.

27. Diya' al-Din Sialwi, Khwaja, A'lam wajib al-Adh'an (Lahore: Shauq Electric Press, 1920.

28. Diya' al-Din Sialwi, Khwaja, Amir-i-Ma'ruf, Lahore: Kapur Art Printing Works, 1920.

29. Faid Ahmad Faid, Maulana, Mehr-i-Munir, Golra: Sayyid Ghulam Mo'in al-Din, 8th edition, 1997.

30. Faid Ahmad Faid, Maulana, Mehr-i-Munir.

31. Faruqi, Iqbal Ahmad, Tadhkirah Ulama'-e-Ahle Sunnat wa Jama'at, Lahore:Maktabah Jadid Press, 1975.

32. Ghulam Murtaza, Mian, 'Amir Jundullah Hadrat Pir Muhammad Shah Ghazi', Monthly Zia- e-Haram Lahore, January 1980.

33. Howard Hensman, The Afghan war of 1879-80, London: H. Allen & Co., 1881 Reprint by Sang-e-Meel, Lahore, 1999.

34. Ibn Hajr 'Asqalani, FatD al-Bari ed. Mohib al-Din al-Khatib, Beirut: Dar al-Ma'rifah, vol. 9.

35. In the special issue of the Zia-e-Haram, 36 khalifas of the Khwaja Sialwi have been enumerated Zia-e-Haram, January 1980.

36. Jeffrey Greenhut, Review "My God ____________ Maiwand: operations of the South Afghanistan Field Force 1878-80 by Leigh Maxwell, Military Affairs, Vol. 44, No. 2(April 1980).

38. Kasuri, Muhammad Sadiq, Akabir-e-Tehrik-e-Pakistan, Gujrat:

Maktaba Rizwiyah, 1976, vol. 1.

39. KaDuri, Muhammad Ibrahim, Maulana, Khazinah Ma'rifat, Lahore: Maqbool 'Am Press, Preface.

40. Kazmi, Ata Muhammad, Hakim, Yad-e-Ayyam, Sargodha: Thana'i Press, n. d.

41. Khurshid Ahmad Shaikh, Shaykh al-Islam Ha Drat Khwaja Muhammad Qamar al-Din Sialwi, Monthly "Zia-e-Haram" Lahore, January 1981.

42. Kohati, Muhammad Suhbat Khan, Dr., Firogh-e- 'Ilm mein Khanwadah-e-Sial Sharif aur Un kay Khulafa' ka Kirdar (Karachi: Sayyid Abul Hasan Shah Manzur Hamadani, Anjuman Qamar al-Islam, February 2010.

43. Louis Dupree, The First Anglo-Afghan War and the British Retreat of 1842: The Functions of History and Folklore, Vol. 26, No. 3/4, September-December 1976. Monthly Nida-e-Ahle Sunnat Lahore, February 1990.

44. Monthly Shams ul Islam Bhera, vol. 6, No. 4, February 1935/1353

45. Monthly Shams ul Islam, July 1932.

46. Monthly Zia-e-Haram, January 1980, p. 276/ Chishti, Muhammad Murid Ahmad, Haji, Fauz al-Maqal fi Khulafa'-e Pir Sial, vol. 4.

47. Monthly Zia-e-Qamar Gujranwala, Shaykh al-Islam Number, April 1981.

48. Muhammad 'Abdul Ghani, Dr., Amir Hizbullah, Jalapur Sharif:

Idarah Hizbullah, 1965

49. Muhammad Abdur Rasul, Prof. Sahibzada, The History of Sargodha, Sargodha: University

50. Muhammad Akram Riza, Professor, Hayat-e-Shaykh al-Islam, Gujranwala: Maktaba Qadiriyah Chishtiya, 1984.

51. Muhammad Din Kalim, Mian, Hadrat Pir Sial Lahore mein, Lahore:1402, p. 28

52. Muhammad Iqbal Advocate, Malik, Tehrik-e-Pakistan aur Sargodha ki Yadin, Sargodha: Khalid Printing press, 19840.

53. Muhammad Sa'id, Sayyid (ed.), Mirat al-'Ashiqin, Urdu tr. Pur Gauhar Nizamuddin, Sahibzada, Lahore: Tasawwuf Foundation, 2011.

54. Nizami, Khaliq Ahmad, Tarikh-e-Masha' ikh-i-Chisht (Karachi: Oxford Press, 1975, Vol. 5. of Sargodha, 2006.

55. Qureshi, Muhammad Naeem, Pan-Islam in British India: The Politics Movement, Karachi: Oxford University Press, 2009.

56. Rashid Mahmud, Raja, Tehrik-i-Hijrat 1920, Lahore: Maktabah-i Auliya, 1995

57. Rashid Mahmud, Raja, Tehrik-i-Hijrat 1920, Lahore: Maktabah-i Auliya, 1995.

58. Razi, Fakhr al-Din, Tafsir Kabir, Dar al-Kutub al-'Ilmiyah, 2000, vol. 12,.

59. Sahih Muslim, Kitab al-Iman, Hadith 73, & Sunan Abi Da'ud, Kitab al-Salat, Hadith 965, &Jami Tirmidhi, Kitab al-Fitan'an Rasul Allah, Hadith 2172, & Sunan ibn Maja, Kitab al-Fitan,

Hadith 4011 & Musnad Ahmad, Munand, 'Asharah al-Mubashsharin bi 'l- Jannah, Hadith 11246.

60. Shah, Dr. Muhammad Sultan, Justice Pir Muhammad Karam Shah Al-Azhariand his Quranic Exegesis " Diya' al-Qur'an", Lahore:Maktaba Jamal-e-Karam, 2008.

61. Taskhir Ahmad, Dr., Chand Yadin, Monthly Zia-i-Haram, Shaykh al-Islam, October 1981.

62. Taskhir Ahmad, Dr., Dar al-Ulum Diya' Shams al-Islam Sial Sharif Kay Sawa Sau Salah Khidmat, Lahore: Ilmi Printing Press, 1964.

63. The Sunnat Khayr al-Anam by Pir Muhammad Karam Shah Al-Azhari was published Markazi Jundullah Bhera in 1955 for the first time. Later on, a number of its editions have been printed by Zia-ul-Qur'an Publication Lahore.

64. Weekly Istaqlal Lahore, 10 February 1991.

☆☆☆☆☆

اعتکاف۔۔۔روحانی سفر کا راستہ

پروفیسر نصیر الدین شبلی مہری ☆

سرورِ عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی اعتکافی زندگی کا اعلانیہ آغاز تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں غارِ حرا کی روحانی گوشہ نشینی سے ہوا۔ آپ ﷺ کو انفرادیت اور تحنث شروع ہی سے محبوب تھے، اب اس کا برملا اظہار ہونے لگا، نبی پاک ﷺ گھر سے کئی کئی دنوں اور راتوں کے لیے غارِ حرا میں تشریف لے جاتے اور عبادت کرتے، اس عبادت کو لفظ تحنث (اللہ کی عظمت، قدرت، وحدت اور کبریائی میں خاموش اور تنہا تفکر کرنا) سے تعبیر کیا گیا ہے، ان اعتکافی دنوں میں آپ ﷺ تھوڑے سے ستو، نمک اور پانی ساتھ لے کر جاتے تھے اور غارِ حرا میں پتھروں پر استراحت فرماتے تھے، آپ ﷺ کا غارِ حرا میں قیام کرنا اس لیے ممکن ہو سکا کیوں کہ آپ ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت خدیجہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا صابرہ شاکرہ خاتون تھیں۔ غارِ حرا کو منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یہاں سے معتکف کی نظر سیدھی بیت اللہ پر پڑتی ہے، یہ چیز اللہ کی طرف توجہ مرکوز کرنے کے لیے شاندار حد تک موثر تھی۔

رہبانیت اور اعتکاف میں بہت بڑا بنیادی فرق ہے وہ یہ کہ راہب لوگ ساری زندگی حقوق العباد اور معاملاتِ زندگی سے گریزاں رہتے ہیں، وہ صرف قول سے نصیحت کرتے ہیں زندگی کی عملی مثالوں سے نمونہ نہیں بنتے جب کہ معتکف کو دورانِ اعتکاف جو فیوضات و برکات، خیر و صلاح اور بصیرت و نورانیت عطا ہوتی ہے وہ اسے اپنی عملی زندگی کے توسط سے انسانیت کی بہتری اور بنی نوع انسان کی فلاح کے لیے خرچ کرتا ہے اور دنیا کو جنت نظیر بنانے کی عملاً کوشش کرتا ہے، وہ اپنے عمل سے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، صوفی مردم بے زار نہیں ہوتا بل کہ انسانیت کی خدمت تو اس کی نظر میں رضائے الٰہی کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہوتی ہے، راہب اور سادھو، نورانیت کو اپنی ذات تک محدود کر کے اس کی بے قدری کا ارتکاب کرتے ہیں جب کہ معتکف حضرات اس حاصل کردہ نورانیت کو سب میں بانٹ کر اللہ کے محبوب قرار پاتے ہیں۔

شریعت میں بجا طور پر فرمایا کہ جب کچھ باصلاحیت اور معتبر لوگ اعتکاف کے ذریعے صیقل ہو کر پورے سماج کو کندن بنانے کا بیڑا اٹھالیں تو دوسرے لوگوں کے لیے اس میں کفایت ہے، رہنمائی اور پیشوائی کے لیے یہ لوگ کافی رہیں گے، اس لیے مناسب ہے کہ اعتکاف کو بچوں کا کھیل نہ بنایا جائے اور اسے محض رسم بنانے سے پرہیز کیا جائے، صوفی کا دلِ محافل رانگ ورنگ کا رسیا نہیں ہوتا بل کہ اس کی اعتکاف گاہ اور چلہ گاہ ہی ہر وقت اس کے لیے پُرکشش رہتی ہے، یاد رہے کہ مومن کے لیے مسجد ہی اس کی چلہ گاہ ہے، سرورِ عالم نورِ مجسم ﷺ نے نماز کو اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا ہے، اسی لیے نماز کو معراج مومنین بھی کہا گیا ہے

☆ نبیرہ شیخ الجامعہ محدث گھوٹوی ؒ (ر) پروفیسر، ملتان

جونماز نہیں پڑھتا، روزہ نہیں رکھتا وہ اعتکاف سے کیا حاصل کرے گا؟ اعتکاف عبادت ہے جس کا مقصد تزکیۂ نفس ہے سو اعتکاف کا سارا وقت گپ شپ اور ہنسی مزاح میں صرف کرنا مناسب نہیں۔

لفظ اعتکاف کا مادۂ اشتقاق ع، ک، ف (عکف) ہے، علما لغت نے اس کے مندرجہ ذیل مفاہیم تحریر کیے ہیں، کسی کام میں مشغول ہونا، متوجہ ہونا، منہمک ہونا، پابند رہنا، قائم رہنا، ٹھہرنا، خود کو الگ رکھنا، علیحدہ ہونا، تنہا ہونا، گوشہ نشین ہونا، روکنا، باز رکھنا اور منع کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وَ عَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ (البقرہ. آیت ۱۲۵)**

ترجمہ: اور ہم نے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک وصاف کردو، طواف کرنے والوں کے لیے، اعتکاف بیٹھنے والوں کے لیے اور نماز پڑھنے والوں کے لیے۔

تبتیل کا معنی ہے اپنے آپ کو الگ کرنا، جدا کرنا، منقطع کرنا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو تبتیل کا حکم فرمایا ہے۔ چناں چہ ارشاد ہوا کہ اے چادر اوڑھنے والے، رات کا قیام کیا کیجئے، مگر تھوڑی رات یعنی کم وبیش نصف اور قرآن ترتیل کے ساتھ تلاوت کیا کیجئے۔ ہم آپ کی طرف بھاری فرمان القا فرمائیں گے۔ یقیناً رات کا قیام سخت روندنے والا ہے اور (دل کی بات) سیدھی موثر ہوجاتی ہے، بے شک آپ کو دن میں لمبا شغل رہتا ہے، سو (رات کو) رب کے ناموں کو ذکر کیجئے اور سب سے الگ ہوکر صرف اسی کی طرف محو ہوجایئے۔ (المزمل آیت ا۔۸)

رمضان المبارک کے تیسرے عشرے میں روزے کے ساتھ مسجد میں اعتکاف بیٹھنا، سنتِ نبویہ موکدہ کفایہ ہے، لیکن باقی دنوں میں اعتکاف نفل ہے، اس کا بھی بہت ثواب ہے، نفلی اعتکاف میں روزہ رکھنا فرض نہیں ہے اگر رکھے تو نفلی ہو گا۔ اعتکاف کا جوہر، تلاوت کلام اللہ مع ترجمہ اور مراقبہ ہے، مراقبے کے دوران اللہ تعالیٰ کے اسما پکاریں اور درود شریف پڑھیں، اگر اس ذکر کے وقت تسبیح بھی چلاتے رہیں تو توجہ کے ارتکاز میں اضافہ ہوگا۔ سالک، اعتکاف کے ذریعے اپنی منازل سلوک طے کرتا ہے۔ گناہ گار کے لیے اعتکاف، توبہ کی قبولیت کے لیے تریاق ہے، نزولِ رحمتِ الٰہیہ کے لیے اعتکاف ایک بڑا محرک ہے، دورانِ اعتکاف دعائیں قبول ہوتی ہیں اِن شاء اللہ تعالیٰ۔

اعتکاف کو مجاورت بھی کہا گیا ہے، لفظ جوار (پڑوس) اور مجاور (پڑوسی) اسی سے ہیں، کیوں کہ اعتکاف ''کریم ذات،، جل جلالہ وعم نوالہ کے دروازے پر جم کر بیٹھ جانے کا نام ہے، دروازے کے مالک کو اپنے دروازے کی لاج ہوتی ہے، سو وہ اعتکاف بیٹھنے والے کو محروم نہیں رکھے گا، اعتکاف بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے پڑوسی کہہ کر پکارے

گا،اسی طرح اعتکاف،شیطان مردود(جوانسان کا دشمن ہے) سے حفاظت کا مؤثر ذریعہ اور ہتھیار ہے،اعتکاف پل صراط سے بآسانی گزر کر جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے،ملائکہ، معتکف کی مدد کرتے ہیں، اعتکاف والے سے اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں۔اعتکاف ایک ایسا بابرکت عمل ہے جو تکبر،غرور،گھمنڈ،انانیت اور خبط عظمت جیسی موذی بیماریوں،کو دِل و دماغ سے کھرچ ڈالتا ہے۔فالحمد للہ۔

☆☆☆☆☆

رمضان المبارک کا تحفہ

مفتی آفتاب احمد رضوی ☆

عمر مثل برف پگھل رہی ہے۔ جو کل تھے آج نہیں اور جو آج ہیں کل نہیں ہوں گے۔ مہلت بہت کم ہے۔ کام بہت زیادہ ہے غفلت زہر قاتل ہے۔ قافلہ سوئے منزل رواں دواں ہے۔ کچھ لوگ ابھی جانبِ منزل چلے ہی نہیں۔ سستی اور کاہلی کے ظلمت کدوں میں بھٹک رہے ہیں ناز و نعم میں پل رہے ہیں۔ نغمہ ہائے شیریں سے ان کے کان مسرور ہو رہے ہیں۔ بتانِ حسین کا منظر ان کی آنکھوں میں ہیں۔ خواہشِ نفس کی اُڑان میں ہیں۔ شیطان انھیں رات دِن لوریاں سنا سنا کر خوابِ غفلت کی دبیز چادر اوڑھا رہا ہے۔ نہ اذان کی آواز سماعت کے پردوں سے ٹکراتی ہے۔ نہ فلاح کی طرف چلنے کا خود سوچتے ہیں۔ دیندار نہیں لیکن دینداروں سے متنفر ضرور ہیں۔ بیمار ضرور ہیں لیکن معالج سے کینہ رکھتے ہیں۔ بیماری بگاڑ کے اس نقطہ تک پہنچ چکی ہے کہ جہاں موتِ ایمان کے سوا کچھ نہیں ملتا۔

بقول امام اہلسنت مجددِ دین و ملت رحمۃ اللہ علیہ

دِن لہو میں کھونا تجھے، شب رات بھر سونا تجھے
خوفِ خدا شرمِ نبی ﷺ، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

خرمنِ ایمان و عمل آتش عصیاں کے بھڑکتے شعلوں کی گود میں ہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ ہمیں احساسِ زیاں بھی نہیں۔ ضمیر موتِ حیات کے بیچوں بیچ ہے۔ قوتِ احساس بستر مرگ پر جسم دراز کیے جان کُنی کے عالم میں ہے۔ اکثریت گمراہی و بے راہ روی کے شاہراہ پر خرام ناز کر رہی ہے۔ سمجھانے والے مخلص ہوں بھی تو دکانداروں، ریاکاروں اور جعلی رہنماؤں نے گومگو کی حالت پیدا کی ہوئی ہے۔ کسی کی ڈور یورپ کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی اسرائیل کا چہیتا ہے۔ کوئی ہندوؤں کا لاڈلا ہے۔ کوئی دین کے نام پر مانگ کر اسلام آباد پر فدا ہو رہا ہے۔ کوئی انقلاب کے نعروں کا طوفان لیے ہوئے خود کو دینی اصولوں کے سامنے منقلب کرنے سے چشم پوشی کر رہا ہے۔ اس بدحالی میں حالی جناب رسالت مآب ﷺ سے یوں مدد مانگ رہا ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے
امت پہ تیری آ کے عجب وقت پڑا ہے

تحریفات کا جمعہ بازار لگا ہوا ہے۔ صالحین کو بتوں کی صف میں اور مومنین کو مشرکین کی قطار میں لایا جا رہا ہے۔ جاہل کو کون سمجھائے۔ **واذا خاطبہم الجاھلون قالوا سلاما۔**

زِ جاہل گریزندہ چوں تیر باش

بیرونی سرمایہ اور تیل کی آمدن نے معاشرے کا کیا سے کیا کر دیا ہے۔ گھر، ماحول اور حکمران صحیح تربیت نہیں دے

☆ مہتمم۔ جامعہ اسلامیہ عیسیٰ خیل (میانوالی)

رہے۔ تعلیمی ادارے، کاروباری ادارے بن چکے ہیں۔ تہذیب وتمدن غیر اقوام سے خریدا جارہا ہے اور لوگوں پر مسلط کیا جارہا ہے۔ برائی کا طوفان خون ریز بھیڑیے کی طرح جھپٹا ہوا ہے۔ ذرائع ابلاغ فضولیات اور لغویات کے ڈھیر بن چکے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی۔ وی میں طوائفوں کے لیے بہت زیادہ وقت ہے جب کہ تعمیری گفتگو کے لیے بہت ہی مختصر اوقات معین ہیں۔

دین سے عملی بغاوت اور قولی ہمدردی کا اظہار ہورہا ہے۔ کسی بھی پہلو کا جائزہ لیں تو تباہی کے سوا کچھ نہیں ملتا اور بقول کسے (تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم) سارا جسم زخم زخم ہو چکا ہے کس کس زخم پر روئی رکھوں۔ لیکن اس یاس وقنوط کے عالم میں پھر بھی امید کی ایک کرن ضرور ہے۔ اور وہ اُجالا اسلام کا، قرآن کا اور صاحبِ اسلام وقرآن کا ہے۔ ہماری بے راہ روی ان سے اغماض اور پہلوتہی کرتی ہے ورنہ

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور ہم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

قرآن اور رحمان سے تعلق جوڑلو تو حالات کا دھارا صحیح سمت چل پڑے گا۔ صاحب قرآن سے ربطِ محبت وعشق استوار کرلو تو مخالف، موافق ہو جائیں گے لیکن اس کام کے لیے عزم واستقلال اور جرات و پامردی چاہیے۔ کاروانِ فکر وعمل کا یہی مقصد ہے کہ حتی المقدور لوگوں کے سامنے اسلام کے آفاقی اصول رکھے جائیں۔ معاشرے کے بے راہوں کو راہ پر لگایا جائے۔ اللہ تعالیٰ توفیق سے نوازے۔

الحمدللہ رب العلمین . والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی اله واصحا به اجمعین.

امابعد: اس کائنات رنگ وبو میں لحہ بہ لحہ نئے نئے احسانات اور کرم نوازیوں کا سلسلہ ازل سے ابد تک جاری ہے۔ خداوند کریم کی یہ نعتیں صرف جسمانی ہی نہیں بل کہ روحانی بھی ہیں۔ صرف مومنین کے لیے نہیں بل کہ منکرین کے لیے بھی ہیں۔ عطاؤں کی بارش چمن کی آبیاری بھی کرتی ہے اور کوڑے کے ڈھیر پر بھی برستی ہے۔ اگر ہم گننا چاہیں تو نہ گن سکیں گے۔ اس لیے کہ خالق کون ومکان نے واضح فرمایا ہے۔ **وان تعدو انعمة اللہ لا تحصوھا.** اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو۔ تو شمار نہیں کرسکو گے۔

ان نوازشات کی فہرست بڑی طویل ہے لیکن ہماری بات ایک ایسی نعمت سے متعلق ہے کہ جسمانی بھی ہے اور روحانی بھی۔ انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ ایک وسیع الصفات، کمال وجمال کا مرقع ہے۔ اس نعمت گراں مایہ اور بیش قدر کا نام نامی صوم (روزہ) ہے۔ جو رمضان المبارک کے بابرکات لمحات میں امتِ مسلمہ کو دی گئی ہے۔

صوم (روزہ) کا لغوی معنی:۔ صوم کا معنی کسی چیز سے رکنا یا چھوڑ دینا ہے۔ چوں کہ روزہ دار بھی کھانے پینے اور عمل زوجیت سے خود کو روک لیتا ہے اور ان تین کاموں کے قریب نہیں جاتا۔ اس لیے روزہ رکھنے والے کو صائم کا نام دیا جاتا ہے۔

صوم کا شرعی معنی:۔ یہ ہے کہ عبادت کی نیت سے طلوعِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے، پینے اور زوجیت سے رُکا رہنا۔ اس کے فضائل ومحامد حدود وقیور سے باہر ہیں۔ **یاایھاالذین امنو کتب علیکم الصیام کما کتب علی**

الذین من قبلکم لعلکم تتقون..

ترجمہ:۔اے ایمان والو!تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے تم سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تا کہ تم متقی بن جاؤ۔

روزے کی تاریخ:

۱۔ مکہ کے باشندے دسویں محرم کو روزہ رکھتے تھے اور روزہ رکھنے کی وجہ یہ بتاتے کہ اس دن خانہ کعبہ کو نیا غلاف پہنایا جاتا ہے۔

۲۔ مدینہ منورہ میں یہودی بھی اس دن روزہ رکھتے تھے۔اس بنا پر کہ اس دن خداوند کریم نے قوم بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دی تھی۔

۳۔ سیدنا داؤد علیہ السلام ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔

احادیث مبارکہ:

۱۔ حضور سید دو عالم ﷺ نے فرمایا۔جب رمضان آتا ہے تو رحمت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔اور جہنم کے دروازے بند کیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ابنِ آدم نے روزے کے ہر سوا اپنے لیے کیا۔اور روزہ خصوصاً میرے لیے رکھا۔اور اس کا بدلہ میں خود دوں گا۔اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے۔اللہ تعالیٰ کے نزدیک روزہ دار کے منہ کی بو مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔

۳۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔روزہ ڈھال ہے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جنت میں ایک دروازہ ہے جس کو ''ریان'' کہا جاتا ہے۔قیامت کے دن اس دروازے سے صرف روزے دار داخل ہوگا۔ان کے سوا اس دروازے سے کوئی شخص داخل نہ ہوگا۔کہا جائے گا۔روزہ دار کہاں ہیں؟ پھر روزہ دار داخل ہوں گے اور جب آخری روزہ دار داخل ہوگا تو پھر دروازہ بند کر دیا جائے گا۔پھر اس دروازے سے کوئی شخص داخل نہ ہو سکے گا۔

۵۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا۔جو شخص بھی ایک دن اللہ تعالیٰ کے لیے روزہ رکھے گا۔اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ اس کے چہرے سے ستر سال کی مسافت تک دُور فرمائے گا۔

۶۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے رمضان کے علاوہ کسی اور ماہ پورے روزے رکھے ہیں؟ ام المومنینؓ نے فرمایا۔خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے ماہِ رمضان کے سوا کسی ماہ کے پورے روزے نہیں رکھے۔اور کوئی ایسا مہینہ گزرا۔جس میں آپ نے بالکل روزے نہ رکھے ہوں۔حتیٰ کہ آپ رفیق اعلیٰ سے ملے (وصال فرما گئے)

۷۔ روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں۔جن سے وہ مسرور ہوتا ہے۔ایک تو افطار کے وقت خوش ہوتا ہے دوسری جب اپنے پروردگار سے ملے گا تو روزے (کے ثواب) سے خوش ہوگا۔

۸۔ فرمایا۔رمضان کی ہررات ایک آواز دینے والا دیتا ہے۔اے خیر (بھلائی) کے طالب آگے بڑھ ۔اور اے شر (برائی) کے طالب ٹھہر جاؤ۔اور اللہ بندوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے اور یہ سلسلہ رمضان کی ہررات میں جاری رہتا ہے۔

۹۔ فرمایا۔جس نے رمضان کے روزے رکھے اور راتوں کو قیام (تراویح) کیا۔ایمان اور طلبِ ثواب کی نیت سے۔تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے۔اور جس نے لیلۃ القدر میں ایمان واحتساب (طلب ثواب) کی نیت سے قیام کیا۔تو اس کے اگلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

ایک دن نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔تم لوگ منبر کے پاس حاضر ہوجاؤ' ہم حاضر ہوئے۔جب حضورِ اقدس ﷺ منبر کے پہلے درجہ پر چڑھے تو فرمایا آمین۔جب دوسری سیڑھی پر قدم مبارک رکھا تو فرمایا آمین اور جب تیسرے درجے پر پاؤں مبارک رکھا تو فرمایا۔آمین (وعظ ونصیحت فرمانے کے بعد) جب منبر سے نیچے تشریف لائے۔تو ہم نے عرض کی یارسول ﷺ آج ہم نے آپ سے ایسی بات سنی ہے کہ کبھی نہیں سنی۔تو جواب میں فرمایا۔جبرائیلؑ نے آکر عرض کیا (اللہ کی رحمت سے) دور ہو وہ شخص جس نے رمضان شریف کو پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی۔میں نے کہا آمین۔جب دوسرے درجے پر چڑھا تو اس نے کہا کہ وہ شخص دور ہو اللہ کی رحمت سے،جس کے پاس تیرا ذکر ہو اور وہ درود شریف نہ پڑھے۔میں نے کہا آمین۔جب میں نے تیسرے درجے پر قدم رکھا تو اس نے کہا کہ دور ہو،اللہ کی رحمت سے وہ شخص جس کے ماں باپ دونوں یا ایک کو بڑھاپا آئے اور اس کو جنت میں داخل نہ کرائیں۔میں نے کہا آمین۔

۱۱۔ نبی کریم ﷺ نے شعبان کی آخری تاریخ کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تمہارے اوپر ایک مہینہ آرہا ہے جو بہت برکت والا مہینہ ہے۔اس ماہ میں ایک رات ہزار مہینوں سے بڑھ کر ہے۔اللہ نے اس کے روزے فرض فرمائے اور رات کے قیام کو نفل بنایا۔جو بندہ اس ماہ میں نفل ادا کرے گویا اس نے غیر رمضان میں فرض ادا کیا اور جو بندہ اس مہینے میں فرض ادا کرے گویا اس نے غیر رمضان میں ستر فرض ادا کیے۔یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور یہ مہینہ لوگوں کے ساتھ غم خواری کا ہے۔اس مہینے میں مومن کا رزق بڑھادیا جاتا ہے۔جو کسی کا روزہ افطار کرائے تو یہ کام اس کے لیے گناہوں کی معافی اور (آگے) دوزخ سے خلاصی کا سبب ہوگا۔اور روزہ دار کے ثواب کی طرح اس کو ثواب دیا جائے گا۔مگر روزہ دار کے ثواب سے کم نہ ہوگا۔صحابہ کرامؓ اجمعین نے عرض کیا کہ ہمارے اندر ہر شخص تو اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ روزہ دار کو افطار کرائے تو آپ ﷺ نے فرمایا: کہ پیٹ بھر کر کھانا ضروری نہیں اگر ایک کھجور سے کوئی افطار کرائے یا پانی پلائے تو اللہ کریم اس کا بھی اس کو ثواب دے گا۔یہ ایسا مہینہ ہے کہ اس کا اوّل حصہ رحمت ہے۔درمیانی حصہ مغفرت اور آخری حصہ آگ سے آزادی کا ہے۔جو شخص اس مہینے میں خادم وغلام کا بوجھ (کام) ہلکا کرے۔اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت فرماتا ہے اور آگ سے آزاد فرماتا ہے۔

چار چیزوں کی اس میں کثرت کیا کرو۔جن دو چیزیں سے تم اپنے رب کو راضی کرو۔وہ کلمہ طیبہ اور استغفار کی کثرت ہے اور دوسری دو چیزیں کہ جنت طلب کرو اور آگ سے پناہ مانگو۔جو شخص روزہ دار کو پانی پلائے۔حق تعالیٰ (قیامت کے دن) میرے حوض سے اس کو وہ پانی پلائے گا کہ اس کے بعد اس کو پیاس نہیں لگے گی۔

۱۲۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے روایت کیا کہ نبی اکرم سید دو عالم ﷺ نے فرمایا۔ کہ میری امت کو رمضان شریف میں پانچ چیزیں خصوصی طور پر دی گئی ہیں جو پہلی امتوں کو نہیں ملیں۔

۱۔ روزہ دار کے منہ کی بُو اللہ کے نزدیک مُشک وعنبر سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

۲۔ ان کے لیے دریا کی مچھلیاں وقتِ افطار تک دُعا کرتی ہیں۔

۳۔ ان کے لیے ہر دِن جنت آراستہ کی جاتی ہے پھر اللہ کریم فرماتا ہے۔قریب ہے کہ میرے بندے دنیاوی مصائب چھوڑ کر میری طرف آئیں۔

۴۔ اس میں سرکش جن اور شیاطین قید کر دیے جاتے ہیں۔رمضان میں ان کی رسائی ان برائیوں تک نہیں ہوتی۔

۵۔ روزہ داروں کی رمضان کی آخری رات میں مغفرت کی جاتی ہے۔صحابہ کرامؓ اجمعین نے عرض کیا کہ بخشش کی رات لیلۃ القدر ہے؟ فرمایا کہ نہیں۔بل کہ مزدور کو کام کے اختتام پر مزدوری دی جاتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تین آدمیوں کی دعا رَدّ نہیں ہوتی۔

۱۔ ایک روزہ دار کی افطاری کے وقت

۲۔ امام عادل کی دُعا۔

۳۔ مظلوم کی دعا جس کو اللہ کریم بادلوں سے اوپر اٹھالیتا ہے۔آسمانوں کے دروازے اس کے لیے کھول دیے جاتے ہیں اور رب کریم فرماتا ہے کہ میں تیری مدد ضرور کروں گا۔اگر چہ دیر ہو جائے۔

توجہ طلب

ان احادیث طیبہ میں چند ایک چیزیں توجہ طلب ہیں۔

۱۔ شیطانوں کا بند کیا جانا۔

۲۔ روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا' یا میں ہی اس کا بدلہ ہوں۔

۳۔ روزہ دار کی منہ کی بو مُشک سے زیادہ خوشبودار ہے۔

۴۔ روزہ ڈھال ہے۔

شیطانوں کی بندش کے باوجود گناہ کا ارتکاب کیوں؟

حدیثِ پاک میں آپ نے پڑھا کہ رمضان المبارک میں سرکش جنات کو جکڑ دیا جاتا ہے،لیکن عموماً دیکھنے میں آتا ہے کہ رمضان المبارک کے دوران گناہ سرزدہ ہوتے رہتے ہیں۔حتیٰ کہ گناہِ کبیرہ بھی صادر ہوتے ہیں۔اس کی کیا وجہ ہے؟ حالاں کہ گناہ پر اُکسانے والے جنات مقید ہوتے ہیں اس کی کئی ایک وجوہات ہیں۔

۱۔ انسان کو گناہ پر اُکسانے والا صرف شیطان ہی نہیں ہوتا۔بل کہ نفسِ امارہ بھی ہے۔

۲۔ سارا سال انسان مختلف قسم کے گناہ کا مرتکب رہتا ہے۔اس لیے اس کی عادت میں گناہ کا عنصر شامل ہو جاتا ہے اس

لیے رمضان المبارک میں بھی گناہ سرزد ہوتے رہتے ہیں۔

۳۔ سرکش جنات کے قید ہونے کی صراحت حدیثِ پاک میں ہے جب کہ چھوٹے جنات کی وجہ سے انسان گناہ کے دلدل میں پھنس جاتا ہے۔

۴۔ انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔جنات کے شیطان مقید ہوتے ہیں جب کہ انسانوں کے شیطان گناہ پر اُبھارتے ہیں۔

۵۔ بُری صحبت کی وجہ سے دامِ عصیاں میں بندہ پھنس جاتا ہے۔

۶۔ بندہ حق و باطل، نیکی اور گناہ میں کبھی کبھار تمیز نہیں کر پاتا۔یوں اُس سے گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔

۷۔ کم علمی کی وجہ سے کوئی مفہوم غلط طریقے سے ذہن میں بیٹھ چکا ہوتا ہے۔جس سے انسان گناہ کا شکار ہو جاتا ہے۔

۸۔ کبھی کوئی انسان انانیت اور گھمنڈ میں مبتلا ہو کر سمجھنے سے دُور بھاگتا ہے اور یوں گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔

۹۔ بندے کی طبیعت گناہ کی طرف غلبہ آجاتی ہے اور یوں شریعت پر عمل میں کوتاہی کے نتیجے میں گناہ صادر ہو جاتا ہے۔

۱۰۔ انسان کا دِل گناہوں کی وجہ سے بالکل کالا ہو جاتا ہے۔وہ گناہ اور نیکی میں تمیز کھو بیٹھتا ہے۔اور بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں لیکن ''تلک عشرہ کاملہ''۔

روزے کا بدلہ اتنا عظیم کیوں؟

روزہ میرے لیے اور میں ہی اس کا بدلہ ہوں یا میں اس کا بدلہ دوں گا۔

۱۔ ہر عبادت عمل سے یا قول سے عبارت ہے اور دیکھنے والا یا سننے والا دیکھ یا سُن سکتا ہے جب کہ روزہ صرف روزہ دار اور خالق کے درمیان ایک راز ہے۔اس لیے فرمایا کہ میں ہی اس کا بدلہ میں ہوں۔

۲۔ قیامت کے دن باقی عبادات مختلف قسم کے حقوق میں دی جا سکتی ہیں جب کہ روزہ بدلے میں نہیں دیا جائے گا۔

۳۔ مختلف عبادات کا ثواب فرشتوں کے ذریعے دلوایا جاتا ہے۔جب کہ روزے کا ثواب اللہ کریم خود دیتا ہے۔

۴۔ روزہ فرشتے نہیں لکھتے جب کہ باقی عبادات کو فرشتے لکھتے ہیں۔اس لیے فرمایا روزہ میرے لیے ہے۔

۵۔ روزہ سے روحانی ترقی حاصل ہوتی ہے۔اور روح کے لیے لاجواب صیقل ہے۔اس لیے فرمایا روزہ میرے لیے ہے۔

۶۔ روزے سے دوسرے کی بھوک اور پیاس کا احساس کھل کر سامنے آتا ہے اور یہ مطلوب و محبوب عمل ہے۔

۷۔ سخت پیاس اور حد درجہ بھوک ہو۔تنہائی ہو۔پھر بھی اللہ کے خوف سے کھانے کے اشیا کو ہاتھ تک نہیں لگایا جاتا۔

۸۔ اللہ کریم کھانے پینے اور عملِ زوجیت سے پاک ہے۔جب کہ بندہ چند گھنٹے یہ مشق کر کے اللہ کے صفت کا مظہر بن جاتا ہے۔اس لیے فرمایا کہ میں بدلہ دوں گا۔

۹۔ روزہ صفائے باطن کے لیے ایک عظیم صیقل ہے۔قلب و نگاہ کی آبیاری آبِ تقویٰ سے کرتا ہے۔اور تقویٰ ہی اصل

بندگی ہے۔

روزے دار کے منہ کی بُو اتنی پسندیدہ کیوں؟

روزہ دار کی منہ کی بو مشک سے زیادہ اللہ کو پسندیدہ ہے۔ اگر ظاہراً دیکھا جائے تو روزہ دار کا معدہ چوں کہ خالی ہوتا ہے، غالباً اس کی وجہ سے منہ میں عام دنوں سے ہٹ کر روزے کی حالت میں بو کا اثر نمایاں ہوتا ہے۔ روزے دار کے منہ کے اندر بو کا اثر چوں کہ روزے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اور روزہ بہت ہی اعلیٰ وارفع عبادت اور رضائے الٰہی کے حصول کا زینہ ہے۔ اس لیے روزہ کے بدلے پیدا شدہ بو میں بھی تقویٰ کا اثر ہوتا ہے۔ جو خالقِ کائنات کو پسند ہے۔

روزہ ڈھال کیوں؟

۱۔ روزہ گناہوں کے لیے ڈھال ہے۔ وہ یوں کہ جب روزہ دار گناہ کے قریب جاتا ہے تو اسے احساس ہوتا ہے کہ میں روزے سے ہوں اور مجھے یہ کام نہیں کرنا چاہئے۔ اس طرح روزہ دار کے لیے روزہ ڈھال بن جاتا ہے۔

۲۔ روزہ جہنم سے ڈھال ہے۔ روزہ کی وجہ سے ایک انسان جہنم سے بچتا ہے۔

۳۔ روزہ نفس کے شر سے بچنے کے لیے ڈھال ہے۔ عمل ہو یا قول نفس کی شرانگیزی سے روزہ بچاتا ہے۔

روزے کی اہمیت ان احادیث سے مکمل طور پر واضح ہوگئی۔ انعامات، احساسات اور نوازشات کی بارش رمضان المبارک کی ساعتوں میں برستی ہے۔ گناہ دُھلتے ہیں۔ زنگ آلود دِل صیقل ہوتے ہیں۔ طبیعت شریعت کے سانچے میں ڈھلتی ہے۔ بھوکے اور پیاسے آدمیوں کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ نورانیت اور روحانیت کا رنگ اندر اور باہر ظاہر ہونے لگتا ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں روزہ داروں کے لیے اور روزے کے قدر شناسوں کے لیے ہیں۔ روزہ خور اور احترامِ صوم سے عاری لوگوں کے لیے اتنا ہی گناہ اور عذاب لکھا جاتا ہے۔ دل کی سنگینی مزید سخت ہوتی جاتی ہے۔ بندے کے دل سے خوف کا عنصر ناپید ہوتا جاتا ہے۔ انسانیت کا رنگ ماند پڑتا جاتا ہے۔ گناہ کے زیرِ اثر تمام جسم رب کی نافرمانی سے آلودہ ہوتا جاتا ہے۔ اور یوں کچھ پانے کی جگہ بہت کچھ کھو دیا جاتا ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا: جس نے روزے میں جھوٹ اور اس پر عمل نہ چھوڑا تو اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑے رکھے۔ (ترمذی)

یہ بہت افسوس ناک امر ہے کہ بعض لوگ روزے بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ جھوٹ، غیبت، واہیات وفضولیات سے محفوظ بھی نہیں رہتے۔ ان لوگوں کو ٹھنڈے دِل و دماغ سے سوچنا چاہیے اور اس بُرے کردار سے خود کو بچانے کی کوشش کرنی چاہیے ورنہ خالی بھوک اور پیاس سے ان کو کچھ بھی نہیں ملتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا۔ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا روزہ سپَر (ڈھال) ہے جب تک اسے پھاڑا نہ ہو۔ عرض کیا گیا کس چیز سے پھاڑے گا، ارشاد فرمایا جھوٹ یا غیبت سے۔

حضورﷺ کے زمانے میں دولڑکیوں نے روزہ رکھا۔روزہ کی وجہ سے ان کوسخت پیاس لگی اور پیاس نا قابلِ برداشت ہوگئی۔ یہاں تک کہ مرجانے کا اندیشہ ہوا۔صحابہ کرامؓ نے نبی مکرمﷺ سے دریافت کیا۔تو حضورﷺ نے ایک پیالہ ان کے پاس بھیجا ان دونوں کواس میں اُلٹی کرنے کا حکم دیا۔دونوں نے جب قے کی،تو اس میں گوشت کے ٹکڑےاور تازہ کھایا ہوا خون نکلا۔لوگ بڑے حیران ہوئے تو نبی کریمﷺ نے ارشاد فرمایا کہ انھوں نے حلال روزی سے روزہ رکھااور حرام چیزوں کو کھایا کہ دونوں لڑکیاں غیبت کرتی رہیں۔

اس حدیث پاک سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ غیبت کی وجہ سے انھوں نے قے میں تازہ خون اور گوشت اُگلا اور ان کوسخت تکلیف ہوئی۔ یہاں تک کہ مرنے کے قریب تھیں۔معلوم ہوا کہ گناہ گار فاسق وفاجر پر روزہ گراں ہوتا ہے جب کہ نیکو کار اور صالح پر روزہ مشکل نہیں بل کہ آسان ہوتا ہے۔غیبت ویسے بھی بُرا عمل ہے لیکن رمضان المبارک میں اس جرم سے خصوصی طور پر منع فرمایا گیا۔

تذکرہ اساتذہ کرام درس گاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ

شیخ الحدیث مولانا عبدالرؤف ہزاروی

علامہ محمد اسلم☆

حضرت مولانا شیخ عبدالحدیث عبدالرؤف ہزاروی سریاں بگڑا تحصیل ہری پور ہزارہ میں مولانا عبدالکریم ہزاروی کے ہاں ۱۳۱۳ھ کو پیدا ہوئے۔ چوں کہ آپ کا ایک علمی گھرانے سے تعلق تھا۔ تاہم آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والدِ گرامی سے گھر ہی میں حاصل کی۔ البتہ "شرح چغمینی" اپنے برادر اکبر حضرت مولانا عبدالجبار سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ اور چند اسباق حضرت مولانا حمیدالدین مانسہروی کے پاس بھی پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ بعدازاں ضلع گجرات موضع انہی کے مشہور و معروف استاذ المناطقہ مولانا ولی للہ کے پاس حمداللہ، میرزاھد اور ملا جلال وغیرہ جیسے مشکل اسباق کا بھی حصول فرمایا۔ دورۂ حدیث شریف مولانا انورشاہ کشمیری سے پڑھنے کی سعادت حاصل فرمائی۔

تمام علوم سے فراغت کے بعد آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ ضلع ملتان تحصیل کبیر والا نزھال میں ۱۰ سال تک تدریس کرتے رہے۔ بعدازاں موضع سریاں ضلع ہزارہ میں ۹ سال تک اور پھر گڑھی حبیب اللہ میں ۵ سال تک جامعہ رحمانیہ ہری پور میں ۲ سال تک اور آستانہ عالیہ مکھڈ شریف ضلع اٹک میں ۵ سال تک مسندِ تدریس کو رونق بخشی۔

مولوی غلام محی الدین (مریدِ خاص حضرت مولانا احمد دینؒ) کے بقول مولانا عبدالرؤف ہزاری مکھڈ شریف میں دو مرتبہ تدریس کے حوالے سے تشریف لائے۔ جب آپ پہلی مرتبہ تشریف لائے تو اُس وقت آپ کے پاس حضرت مولانا پیر فضل الدین مکھڈویؒ اور آپ کے درینہ دوست حضرت مولوی غلام محی الدین نے آپ سے چند اسباق پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ پھر آپ ملتان شریف تشریف لے گئے تھے۔ دوسری مرتبہ آپ کی مکھڈ آنے کی وجہ حضرت مولانا فتح الدین (سجادہ نشین دربارِ عالیہ مکھڈ شریف) بایں الفاظ بیان فرماتے ہیں "جب قبلہ ماموں جی حضرت مولانا صالح گل نظامیؒ تمام کتبِ درسیہ کی تکمیل فرما چکے تھے تو آپ کو حدیث پڑھانے کے لیے ایک اچھے اور تجربہ کار شیخ الحدیث کی ضرورت تھی۔ نانا محترم مولانا محمد دین مکھڈیؒ نے مجھے حکم فرمایا کہ آپ نے مولانا عبدالرؤف صاحب کو مکھڈ شریف تدریس کے لیے دعوت پیش کرنی ہے۔

ان ایام میں مولانا فتح الدین مدظلہ العالی ملتان دارالعلوم میں پڑھاتے تھے۔ اتفاق سے مولانا عبدالرؤف صاحب کا لڑکا آپ کے پاس زیرِ تعلیم تھا۔ بہ ہر صورت مولانا عبدالرؤف کو دعوتِ مکھڈ دینے کے لیے پیر صاحب اُن کے ہاں تشریف لے گئے۔ جب مکھڈ کے حوالے سے تمام معاملات سے آگاہ کیا تو مولانا صاحب مکھڈ شریف تشریف لانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ مجھے یہاں مدرسہ سے تین سو روپے ماہانہ اعزازیہ ملتا ہے۔ مکھڈ شریف سے صرف ۲۰۰ روپے

☆ صدر مدرس، درگاہ حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ۔ مکھڈ شریف۔ تحصیل جنڈ (اٹک)

اعزازیہ لوں گا۔لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں کتب خانہ سے مجھے مطالعہ کے لیے جو کتاب ضرورت ہو ملنی چاہیے۔

آپ کا یہ مطالبہ تسلیم کرلیا گیا۔آپ نے دوسال حدیث شریف پڑھانے کے لیے آستانہ عالیہ مکھڈ شریف میں بارِ دوم قیام فرمایا۔خاموش طبع تھے۔اسباق کے علاوہ خارجی گفتگو بہت کم فرماتے۔

آپ کے متعلق مشہور ہے کہ قیامِ مکھڈ شریف کے دوران مطالعہ اور اسباق سے ہٹ کر صرف دو باتیں دریافت کیں، کہ دریائے سندھ کا پانی کس طرف جارہا ہے۔یعنی مقامِ اختتام کیا ہے۔اور دوسرا شکردرّہ سے لوگ مکھڈ شریف بذریہ کشتی آتے ہیں۔یہ کہاں سے آتے ہیں اور کیوں آتے ہیں۔اِن دو مذکورہ باتوں کے علاوہ آپ نے کوئی قابلِ ذکر بات نہیں کی۔آپ کو مطالعہ کا اس قدر شوق تھا۔کہ حضرت فتح الدین صاحب بیان کرتے ہیں کئی مرتبہ آپ کے پاس کھانا اور چائے وغیرہ رکھ دی جاتی اور آپ مطالعہ میں مشغول رہتے۔جب فارغ ہوتے تو وہ کھانا اور چائے وغیرہ ٹھنڈا ہونے کی کی وجہ سے دوبارہ گرم کرنا پڑتی۔آپ کا کھانا بھی وہی ہوتا جو لنگر میں طلبا اور عام الناس کے لیے تیار کیا جاتا تھا۔

پیر صاحب آپ کے لباس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ ہمیشہ تہبند استعمال فرماتے۔کبھی آپ نے شلوار وغیرہ استعمال نہیں کی۔آپ نے مذکورہ بالا تمام مدارس میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین کی حیثیت سے درس وتدریس فرمائی۔اور درس وتدریس کے علاوہ آپ نے بخاری شریف کی شرح ''فضل الباری فی فقہ البخاری'' عربی زبان میں چار جلدوں پر مرتب فرمائی۔

حوالہ جات

۱۔ تذکرہ علمائے ہزارہ۔ڈاکٹر فیوض الرحمٰن،ناشر قادر سنٹر ماڈل ٹاؤن،لاہور

۲۔ گفتگو حضرت پیر فتح الدین مکھڈی

۳۔ گفتگو غلام محی الدین ملہووالی (حال مقیم مکھڈ شریف)

☆☆☆☆

ذکرِ خیر

حضرت مولانا استاذ میاں حاجی احمد چشتی نظامی میرویؒ

علامہ محمد وارث☆

شمس الحفاظ استاذی القراٗ حضرت مولانا استاذ میاں حاجی احمد چشتی نظامی میرویؒ تقریباً ۱۹۳۰ء کو ڈھوک مدووالی موضع چکڑالہ ضلع میانوالی میں ملک غلام محمد صاحب اعوان مرحوم کے گھر پیدا ہوئے۔ پانچ سال کی عمر میں آستانہ عالیہ میرا شریف اپنے ماموں جان حضرت استاذ نور محمد عرف استاذ وزیر صاحب مرحوم کے ہم راہ تشریف لائے۔ آپ کے ماموں جان استاذ وزیر صاحب مرحوم مدرسہ چشتیہ میروی میں بچوں کو ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور حضرت خواجہ فقیر محمد عبداللہؒ کے ہمہ وقت خدمت گزاری کرتے۔ خواجہ صاحبؒ مسجد میں تشریف لے جاتے تو استاذ وزیر صاحب ہم راہ ہوتے۔ آپ کی جوتیاں سیدھا کرتے۔ عصا مبارک اٹھا کر مسجد میں رکھتے۔ سفر وحضر میں بھی ساتھ ہوتے۔

ناظرہ قرآن مجید حضرت استاذ میاں محمد میرویؒ سعادت حاصل کی۔ اور پھر انتہائی مخلص ومشفق استاذ حضرت مولانا حافظ عبدالکریم چشتی میرویؒ سے حفظِ قرآنِ مجید کی سعادت حاصل کی۔ اُستادِ محترم سورگ تحصیل پنڈی گھیب کے رہنے والے تھے۔ اِدھر آپ کا حفظ مکمل کیا اُدھر آپ کے استاذِ محترم نے داعی اجل کو لبیک کہا اور داغِ مفارقت دے گئے۔

استاذِ محترم کے وصال شریف کے بعد حضرت خواجہ فقیر محمد عبداللہؒ نے آپ کو استاذ محترم حضرت حافظ عبداللہ کریمؒ کی مسند تدریس پر بٹھا دیا؛ جس کو آپ نے ۶۰ سال بہ حُسن وخوبی نبھایا۔ شعبہ حفظ میں تدریس کے ساتھ ساتھ فارغ وقت میں درس نظامی کی تعلیم کے حصول کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ آپ نے درس نظامی کی کتب حضرت مولانا محمودؒ اور حضرت مولانا عبدالرحمٰنؒ آف ٹمن سے پڑھیں۔ پھر آخر میں ضلع اٹک کی بل کہ پاکستان کی مشہور علمی شخصیت مفسر قرآن خلیفۂ محدثِ اعظم پاکستان حضرت مولانا پیر مفتی محمد ریاض الدین قادریؒ سے استفادہ حاصل کیا۔

حضرت مفسرِ قرآنؒ کے برادرانِ عزیز حضرت صاحبزادہ خان محمد مدظلہ نے حضرت استاذ میاں حاجی احمد صاحب کے پاس قرآن مجید کی دُہرائی کی۔ جب کہ مولانا قاری غلام محمد خانؒ بانی وحدت اسلامیہ نے مکمل قرآن مجید کی سعادت حاصل کی۔ حضرت خواجہ فقیر محمد عبداللہؒ کے صاحبزادہ گان سے حضرت خواجہ صاحبزادہ منظور احمدؒ اور صاحبزادہ خواجہ محبوب احمدؒ استاذ میاں حاجی احمد کے ہم سبق رہے۔ حضرت خواجہ صاحبزادہ مقبول احمدؒ، حضرت خواجہ صاحبزادہ ظفر احمدؒ، حضرت خواجہ صاحبزادہ فخر احمدؒ اور حضرت خواجہ صاحبزادہ شہزادا احمد مدظلہ نے استاذ میاں حاجی احمدؒ کے پاس قرآنِ مجید کی تعلیم حاصل کی اور حضرت خواجہ خواجگان غریب نواز خواجہ احمد میرویؒ کے محبوب خلیفہ اور عاشق صادق حضرت پیر سید لعل شاہؒ وندہ شاہ بلاول بھی حضرت استاذ میاں حاجی

☆ مدرس وخطیب۔ خانقاہِ معلیٰ خواجہ احمد میرویؒ، میرا شریف۔ تحصیل پنڈی گھیب (اٹک)

احمد صاحب کے ہم سبق رہے اور گہرے دوست بھی تھے۔

چوں کہ حضرت استاذ میاں حاجی احمد صاحبؒ حضرت خواجہ فقیر محمد عبداللہ کے حکم پر آستانہ عالیہ پر قرآن مجید کی تدریس شروع کی اس لیے حضرت خواجہ صاحب نے ساری زندگی آپ کی مکمل سرپرستی فرمائی۔ آپ کے وصال شریف کے بعد حضرت الحاج صاحبزادہ مقبول احمد چشتی نظامیؒ نے سرپرستی فرمائی۔ ۶۰ سال کے طویل عرصہ میں حضرت استاذ میاں احمد صاحبؒ سے ہزاروں خوش نصیبوں نے حفظ و ناظرہ قرآن مجید کی تعلیم کی سعادت حاصل کی۔ آپ کے شاگردوں کا سلسلہ بہت طویل ہے جو کہ ملک میں اور بیرونِ ملک قرآن مجید کا فیض تقسیم کر رہے ہیں۔

حضرت استاذ میاں حاجی احمد صاحبؒ اعوان خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ خاندانی اثر کی وجہ سے شجاعت و شرافت و سخاوت و صداقت کا پیکر تھے۔ انتہائی دلیر تھے۔ حق بات ڈنکے کی چوٹ کہتے۔ کامل ولیوں کی نسبت کی وجہ سے **لا خوف علیھم ولاھم یحزنون** کا نمونہ تھے۔ موجودہ دور میں سخاوت میں اپنی مثال آپ تھے۔ مہمان کسی وقت بھی آجاتا مسکراتے ہوئے اھلاً وسھلاً فرماتے۔ مہمان نوازی میں اپنی مثال آپ تھے۔ جو بھی مہمان آتا ان کے اخلاقِ کریمانہ سے متاثر ہوتا۔ غریب نواز تھے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی خدمت اپنا فرضِ منصبی سمجھتے تھے۔ خصوصاً غربا و مساکین پر بہت مہربان تھے۔ دُکھی انسانیت کی دل جوئی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ طلبا کو تو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھتے تھے۔ تلاوتِ قرآن تو ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ فرضی و نفلی جملہ عبادات کے انتہائی پابند تھے۔ سردی و گرمی، صحت و بیماری ہر حال میں نماز با جماعت ادا فرماتے۔ نمازِ تہجد با قاعدہ حضرت خواجہ خواجگان محبوب اللہ الصمد حضور غریب نواز خواجہ احمد میرویؒ کے مزارِ انوار پر پابندی سے ادا فرماتے۔ مسلکِ حقہ اہلِ سنت کی تبلیغ بھی فرماتے۔ بدعقیدہ لوگوں سے نفرت فرماتے۔ آپ نے اپنی ظاہری زندگی میں ہی اپنے صاحبزادہ گان صاحبزادہ محمد علی صاحب چشتی نظامی اور صاحبزادہ محمد جلیل صاحب چشتی نظامی کو خدمتِ قرآن مجید کے لیے اپنی مسند پر بٹھا دیا تھا۔

دونوں صاحبزادہ گان پیرِ طریقت رہبرِ شریعت حضرت صاحبزادہ پیر فاروق احمد چشتی نظامی سجادہ نشین آستانہ عالیہ میرا شریف کی سرپرستی میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ہزاروں حفاظ اور قرأ کے استاذِ محترم نے عرصہ ۶۰ سال تک قرآن کریم پڑھاتے ہوئے۔ ۱۲۔ اپریل ۲۰۱۳ء بروز جمعۃ المبارک اللہ کریم جل جلالہ کا ذکر کرتے ہوئے اور نبی کریم ﷺ پر درود و سلام پڑھتے ہوئے جان جانِ آفرین کے سپرد فرمائی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را۔

☆☆☆☆☆

انوار الکریمین

پروفیسر محمد انور بابر

حطیم:

معنی ومفہوم: کعبہ شریف کی شمالی جانب ایک قوس نما دیوار بنی ہوئی ہے اس کو حطیم کہتے ہیں۔ حجرہ اسماعیلؑ اور حطیرہ اسماعیل بھی اس کے نام ہیں۔ قاموس میں حطیم کے معنی حجرۂ کعبہ اور جدار کعبہ بیان کئے گئے ہیں۔ معجم البلدان میں سیدنا ابنِ عباسؓ مروی ہے ''الحطیم الجدار ''یعنی کعبہ کی دیوار۔ ابومنصور الازہری کا کہنا ہے کہ حجرِ مکہ جسے حطیم کہا جاتا ہے۔ یہ میزابِ کعبہ سے ملی ہوئی جگہ ہے۔

مقام حطیم کی ابتدا:

تعمیرِ کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے آرام کی خاطر کعبہ شریف کے پہلو میں ایک جھونپڑی بنائی تھی۔ وہ جھونپڑی ہی حطیم والی جگہ تھی اور یہ حضرت اسماعیلؑ کی رہائش گاہ تھی۔ اس میں ان کی بکریاں بھی ہوتی تھیں اور عبادت بھی کیا کرتے تھے۔ آپؑ کی آخری آرام گاہ بھی یہی حطیم بنی۔

حطیم ومکاف کا مقام ومرتبہ:

خواجہِ خواجگان حضرت خواجہ حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ کعبہ معظمہ کے گرد تین سو انبیائے کرامؑ مدفون ہیں۔ ان میں حجرِ اسود اور رکنِ یمانی کے درمیان ستر نبی دفن ہیں۔ جو جون اور بھوک سے انتقال کر گئے تھے۔ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت بی بی ہاجرہؑ کی قبر مبارک بھی حطیم میں میزاب کے نیچے پتھر میں ہے۔ (نزہت المجالس)

حضرت اسماعیلؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ کے مزارات مبارکہ:

مشہور سیاح ابنِ مطبوعہ ۷۲۵ھ میں مکہ معظمہ تشریف لائے۔ حطیم سے متعلق اپنے مشاہدات بیان کرتے ہوئے سفرنامے میں تحریر فرماتے ہیں۔ میزاب کے نیچے زیرِ سنگ حضرت اسماعیلؑ کا مزار مبارک ہے۔ اُس کے اُوپر مستطیل شکل سبز رنگ کا سنگ دخام محراب کی شکل کا ہے جو ایک دوسرے سبز رنگ سنگِ دخام سے ملا ہوا ہے۔ جو متدیر ہے۔ ان دونوں پتھروں کی چوڑائی تقریباً ڈیڑھ بالشت ہے۔ یہ دونوں پتھر مل کر ایک مربع کی خوش منظر شکل بناتے ہے۔

حضرت اسماعیلؑ کے مزار مبارک کے ایک جانب رکنِ عراقی کے قریب آپ کی والدہ ماجدہ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیھا کا مزار مبارک ہے۔ اس کی علامت ایک متدیر سبز رنگ کا سنگِ مرمر ہے۔ اس کی چوڑائی بھی ڈیڑھ بالشت ہے۔ ہر دو مزارات کے مابین سات بالشت کا فاصلہ ہے۔ قبورِ مبارکہ کے یہ نشانات سعودی دور (۱۹۲۶ء) تک موجود تھے۔ ۱۳۹۶ھ میں

☆ پروفیسر (ر)، گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج، لکی مروت، خیبر پختون خواہ

سعودی فرماں رواشاہ خالد مرحوم کے حکم پران مزارات کومسمار کرادیا گیااور کوئی نشان نہ چھوڑا۔تاریخ مکہ کے مؤلف نے اس کی وجہ تحلیل تجدید فرش بتائی ہے۔

حطیم بیت اللہ شریف کا حصہ ہے:

حجازِ مقدس میں حاضری کے دوران سعودی حکومت کے سرکاری خطیب حرم مولانا مکیؒ کی ایک مجلسِ وعظ میں اُن سے سنا کہ''حطیم کعبہ شریف کا حصہ نہیں ہے۔یہ بات تاریخی حقائق کے منافی ہے۔صدیقہ کائنات حضرت عائشہ صدیقہؓ نے استفار کیا کہ اس دیوار حطیم کی حقیقت کیا ہے؟ کیا بیت اللہ شریف میں شامل ہے۔تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہاں یہ بیت اللہ میں سے ہے۔اُم المومنین نے عرض کیا''تو اسے بیت اللہ میں داخل کیوں نہیں کیا گیا''تو آپ ﷺ جواباً ارشاد فرمایا: اے عائشہ! تیری قوم نے جب بیت اللہ کی تعمیر کا منصوبہ بنایا تو انھوں نے حلال وطیب مال خرچ کرنے کی پابندی لگائی تھی۔اس طرح جو فنڈ جمع ہوا وہ پوری عمارتِ کعبہ کے لیے ناکافی تھا۔جس کے پیشِ نظر انھوں نے شمالی جانب چھوڑ کر تعمیر مکمل کر لی۔عائشہؓ! اگر تیری قوم کا زمانہ جاہلیت قریب نہ ہوتا اوران کے انکار اور باہمی تصادم کا حدشہ نہ ہوتا تو یہی حطیم کے حصہ کو بیت اللہ میں ضرور شامل کر کے ابراہیمی بنیادوں کے مطابق تعمیر کرتا۔اوراس کے مشرق ومغرب میں دروازے بناتا۔(بخاری شریف جلد ۲۱۵۔مسلم شریف اوّل ۴۳۱۔ مؤطاامام مالک۔۲۹۰)

حطیم کی حکمت:

قدرت کا ہر کام اس کی منشا کے موافق اور حکمتوں سے لبریز ہوتا ہے۔پھر حاضر میں کعبہ معظمہ کا بابِ کریم صرف امراً اور بادشاہوں کے لیے کھلتا ہے۔عوام الناس کے لیے کعبہ شریف کے اندر جانے کی سعادت حاصل کرنا امرِ محال ہے۔جب کہ سابقہ ادوار میں ہفتہ مقررہ ایام میں عام لوگوں کے لیے کھولا جاتا تھا۔اس حقیر پُرتقصیر کی ناقص سوچ کے مطابق حطیم کی حکمت یہی ہے کہ عام لوگوں کو بھی اسی واسطہ سے کعبہ شریف میں دخول کا شرف حاصل ہو جائے۔

حبیبہ محبیبِ خدا صدیقہ کونین فرماتی ہیں۔کہ ایک مرتبہ میں نے بارگاہِ رسالت پناہ میں عرض کی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں بیت اللہ شریف میں داخل ہو کر نماز پڑھوں۔تو حبیبِ ﷺ خدا نے میرا ہاتھ پکڑ کر حطیم میں لے گئے اور فرمایا: یہاں نماز پڑھو۔جب بھی تیرا دل کعبہ شریف میں نماز پڑھنے کو چاہے تو حطیم میں داخل ہو کر نماز پڑھ لیا کرو۔کیوں کہ یہ بھی کعبہ شریف کا حصہ ہے۔لیکن تیری قوم نے خرچ کم ہو جانے کے باعث اسے کعبہ شریف سے نکال دیا تھا۔

حطیم میں نوافل کا ثواب:

امیر المومنین حضرت علی مرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریمؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے حضرت ابو ہریرہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا: حطیم کے دروازہ پر ایک فرشتہ اعلان کر رہا ہے کہ جو آدمی حطیم میں دو رکعت نوافل پڑھے اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔اس طرح حطیم کے دوسرے دروازے پر بھی فرشتہ اعلان کر رہا ہے کہ جو متقی آدمی امتِ محمد ﷺ سے حطیم میں نفل پڑھے تو اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔

جنت کا دروازہ

امیر المومنین حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ حطیم میں میزاب رحمت کے نیچے کھڑے ہوکر حاضرین سے فرمانے لگے تم مجھ سے پوچھو کہ کہاں کھڑے ہو؟ چناں چہ حاضرین نے جب سوال کیا تو آپ نے فرمایا: میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوں‘‘

مستجاب الدعوات:

حطیم قبول دُعا کی جگہ ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ میزاب رحمت کے نیچے دُعا مانگی جائے گی تو ضرور قبول ہوگی۔

سیدنا حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر حطیم میں کھڑے ہو کر فرمایا: کہ سیدنا حضرت اسماعیلؑ نے ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ سے مکہ معظمہ میں شدید گرمی کے بارے میں عرض کیا تو اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ میں آپ کی خاطر جنت کے دو دروازے حطیم میں کھول دوں گا۔ جن سے قیامت تک روح پرور ہوا کے جھونکے آتے رہیں گے۔(اخبارِ مکہ۔۲۲۰)

مصلیٰ اخیار:

سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ’’اخیار کے مصلیٰ پر نماز پڑھو اور ابرار کا پانی پیو۔ان سے پوچھا گیا کہ مصلیٰ اخیار کونسی جگہ ہے تو فرمایا: ’’میزابِ رحمت کے نیچے (حطیم) ہے۔شرابِ ابرار آبِ زم زم ہے۔(مسلم شریف۔جلد ا۔۴۳۰)

میزابِ رحمت

بیت اللہ شریف کی چھت پر پرنالے کو میزابِ رحمت کہا جاتا ہے۔تاریخ مکہ بتاتی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ شریف کی نہ چھت بنائی اور نہ ہی پرنالہ رکھا تھا۔کعبہ شریف کی چھت قریش نے بنائی تھی اور اس میں پرنالہ بھی حطیم کی طرف لگایا۔اور یہ پرنالہ لکڑی اور پتھر کا تھا۔ولید بن عبد الملک نے لکڑی پر سونا چڑھا دیا۔

میزابِ رحمت کا سائز

امیر مکہ مریشہ نے جو میزاب کعبہ شریف کی نذر کیا تھا وہ تقریباً چھ فٹ تھا۔اس طرح مختلف ادوار میں میزاب میں تبدیلی ہوتی رہی۔موجودہ میزابِ رحمت ترکی کے فرماں روا سلطان عبدالمجید خان بن محمود خان کا لگایا ہوا ہے۔اس پر تخمیناً ۵۰ طل سونا صَرف ہوا تھا۔علامہ طاہر کُردی کی تحقیق کے مطابق موجودہ میزاب کا طُول ۲۵۸ سنٹی میٹر،عرض اندر سے ۲۶ سنٹی میٹر اور اونچائی ۵۸ سنٹی میٹر ہے۔میزاب کا اگلا حصہ زبان کی مانند ہے جو نیچے لٹکا ہوا ہے اور متحرک ہے اس لسان اور برقع بھی کہتے ہیں۔اس حصے پر ’’بسم اللہ الرحمٰن الرحیم‘‘اور اس کے نیچے ’’یا اللہ‘‘ لکھا ہوا ہے۔اور اس کے دائیں بائیں اور نیچے مختلف قسم کلمات لکھے ہوئے ہیں۔

میزاب کے کنارے پر سونے اور چاندی کی کیلیں لگی ہوئی ہیں تا کہ کبوتر میزاب نہ بیٹھیں۔یہ کیلیں پُرانی اور کمزور ہونے پر سعودی حکومت تبدیل کرتی رہتی ہے۔سلطان عبدالمجید خان نے ۱۰۲۱ھ جو میزاب نصب کیا تھا وہ آج (۱۴۱۹ھ۔۱۹۹۸) تک اپنی نرالی شان دکھا رہا ہے۔

[جاری ہے-----]

☆☆☆☆☆

سفر نامۂ حج

فیض محمد☆

وہاں سے سفر مبارک شروع ہوا اور الحمد اللہ ثم الحمد للہ آج تک وہ مبارک دن یاد ہے۔ ۲۷، دسمبر جمعہ کا دن تھا۔ ہماری بس عین فجر کی نماز کے نورانی فضاؤں میں اور گنبد خضرا کی نورانی ہواؤں میں شہر رسول ﷺ میں پہنچی۔ نمازِ فجر ادا ہو چکی تھی۔ تمام احباب نے مرشدِ کریم کے ساتھ فرداً فرداً نماز ادا کی۔ نماز کی ادائیگی کے بعد وہ عالم نورانی کے حالات کیا بیا ن کروں۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آج زندگی کا مبارک ترین دِن تھا۔ رحمت اللعالمین شفیع المذنبین کی نورانی بارگاہ میں یہ پاکیزہ لحات نصیب ہو رہے تھے۔ جب اپنے نامۂ اعمال کو دیکھتا تو شرم سار ہو جاتا اور جب رحمت اللعالمین کی بارگاہِ بے کس پناہ کو دیکھتا تو دِل خوشی سے مسرور ہو جاتا اور یہ کلمات زبان پر جاری ہو جاتے۔

ارے او نا سمجھ قربان ہو جا اُن کے قدموں پر
یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

آقائے رحمت، شبِ اسرای کے نورانی دولہا کا یہ فرمان بھی یاد آیا کہ اگر کسی کا کوئی غم خوار نہ ہو تو فکر نہ کرو اُس کا میں محمد ﷺ مددگار رہوں۔ زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلے۔

یا رسول اللہ بسوئے یک نظر کُن ما غریباں

مرشدِ کریم تو وہاں روضۂ انور کے قرب میں تشریف فرما ہوئے۔ فرمایا: کہ نمازِ جمعہ کے بعد کیمپ میں جائیں گے اور ہم سب کو حکم فرمایا کہ تم کیمپ میں جا کر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد نمازِ جمعہ کے لیے آجانا۔ اُن کے فرمان کے مطابق کیمپ میں پہنچے اور پھر واپس نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے مسجد نبوی ﷺ حاضر ہوئے۔ الحمد للہ نورانی لحات اللہ رب العزت نے عطا فرمائے۔ مرشدِ کریم کا معمول تھا کہ کافی دیر حرمِ نبوی ﷺ میں گذارتے تھے۔ صبح نمازِ تہجد سے پہلے جب بابِ رحمت یعنی نورانی باب کھلتا تو آپ تشریف فرما ہوتے۔ اور پاکستانی وقت ۱۲ بجے تک وہاں تشریف فرما رہتے۔ پھر ناشتہ کے لیے اور دوپہر کے کھانا کے لیے کچھ وقت کے لیے باہر اپنی قیام گاہ پر تشریف فرما ہوتے۔ دوبارہ نمازِ ظہر سے نمازِ عشاء تک آقائے کریم کی بارگاہ کریم میں دورد شریف و اوراد، نوافل وعبادتِ الٰہی میں مصروف رہتے۔ جب عشاء کی نماز کے بعد حرمِ نبوی ﷺ کے تمام دروازے بند کر دیئے جاتے تب آپ واپس اپنی قیام گاہ پر تشریف لاتے۔ آپ کی طبیعت مبارک تھی کہ جب روضہ اقدس ﷺ مواجہہ شریف یا ریاض الجنت میں تشریف لے جاتے تو ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتے۔ تنہا حاضری کو پسند فرماتے تھے۔ حاضری کے دوران کوئی دوسرا ساتھی نہ ہو تو بہت خوش ہوتے تھے۔ مجھ کو یاد ہے کہ صرف تین چار بار آپ کے ساتھ مواجہہ شریف کے سامنے حاضری کا

☆ محلہ محبوب خیل۔ عیسیٰ خیل (میانوالی)

شرف حاصل ہوا۔

کتاب ''نجم الھدیٰ'' کی صورت میں آپ نے جو نذرانۂ عقیدت حضورﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا اُسے رحمت اللعالمین نے قبول فرمایا اور حالتِ بیداری میں اپنا دیدار عطا فرما کر سینہ مبارک کو دَم فرمایا۔ ساتھ ہی یہ نوید بھی سنائی ''او مولوی زین الدین تم کو بیعت کی اجازت ہے'' اور فرمایا ''تمہارا مرید بالا واسطہ ہمارا مرید ہوگا'' فرمایا: ''سیرت کی کتاب ''نجم الھدیٰ'' ہم کو بہت پسند ہے۔ اس کو جلد مکمل کرو۔''

مرشدِ کریم نے اُس مبارک کتاب ''نجم الھدیٰ'' کو نہ صرف مکمل کیا بل کہ اس کا پورا قلمی مسودہ بھی مدینہ منورہ زاداللہ شرفاً و تعظیماً لے گئے۔ اور مجھ کو بعد میں دوسرے دوست سے معلوم ہوا کہ مرشدِ کریم نے وہ مکمل مسودہ ''نجم الھدیٰ'' کا رحمت اللعالمین کی بارگاہِ کریم میں پیش کیا۔ جو کہ یقیناً رحمت اللعالمین نے شرفِ قبول فرما کر مزید اپنی خاص نگاہِ رحم و کرم اور عطا سے نوازا۔

میں حیران تھا کہ مرشدِ کریم نے مجھ سے کوئی بات مخفی نہ رکھی۔ لیکن یہ مسودہ جو کہ بارگاہِ کریم میں پیش کیا گیا نہ میں پوچھ سکا نہ علم ہوا اللہ کریم ہی بہتر جانتا ہے۔ ایک دن مغرب کی نماز کی ادائیگی کے بعد میں بھی مرشدِ کریم کے ساتھ تھا جب حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ کی بارگاہِ بے کس پناہ کے سامنے پہنچے تو رُک گئے اور میرے کندھے پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا کہ فیض محمد یہ خوخا سیدا ابوبکر صدیقؓ ہے۔ آپ نے یوں فرمایا:

کل یہاں ایسی جگہ پر میں نے سرکارِ کریم رحمت اللعالمین کی نورانی بارگاہ کریم میں مراقبہ کیا اور یہ عرض کی یا رسول اللہ ﷺ ہماری کوئی مشکل ہو اور آپ کی نورانی بارگاہِ کریم تک نہ آسکیں تو کیا کریں اور ساتھ ہی فرمایا کہ میں آپ کی بارگاہِ کریم میں آپ کے پیارے یارِ غار سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ کا واسطہ پیش کرتا ہوں تو مرشدِ کریم نے فرمایا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سامنے حضرت مولانا محمد علی مکھڈیؒ کا روضہ پاک آ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت مولانا صاحبؒ کا بڑا مقام ہے جو کہ رحمت اللعالمین کی نورانی بارگاہ کریم میں بہت مقبول ہیں۔ اور یہ کہ رحمت اللعالمین کا فرمانِ کریم ہے کہ کوئی مشکل ہو تو مولانا صاحبؒ کی بارگاہ پاک میں حاضری دو۔ وہ تمہاری مشکل حل کرا دیں گے۔

حضرت خواجہ مولانا احمد الدینؒ (جو آپ کے بڑے بھائی تھے) کے چہلم کے موقع پر مسجد شریف میں ہزاروں مریدین اور عقیدت مندوں کی موجودگی میں مرشدِ کریم نے اس مراقبہ کے متعلق فرمایا کہ رحمت اللعالمین نے فرمایا کہ اگر کوئی مشکل ہو تو مولاناؒ کی بارگاہ میں حاضری دے کر اپنی مشکل کے لیے عرض کریں تمہاری مراد بر آئے گی۔

پھر زیارات کا سلسلہ شروع ہوا۔ جنت البقیع جو کہ بالکل مسجد نبوی شریف کے سامنے قبرستان ہے یہاں پر روزانہ ایک مرتبہ ضرور حاضری مبارک دے کر فیوضیات و برکات الٰہی سے مالا مال ہوتے تھے۔ مسجد قُبا مبارک کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ یہاں ۲ نوافل پڑھنے سے عمرہ مبارک کا ثواب ملتا ہے۔

مسجد قبلتین سبحان اللہ اِس کی نورانی زیارت کر کے سرور حاصل ہوا۔ بل کہ اللہ کریم کو اپنے محبوب کریم ﷺ سے کتنا پیار

ہے کہ رحمت اللعالمین کے نورانی قلب مبارک میں اس خیال کا گزرنا تھا کہ ہمارا قبلہ بیت اللہ ہونا چاہیے اور رحمت اللعالمین نے اپنا چہرہ مبارک آسمان کی طرف اُٹھایا تو ربِ کریم نے فرمایا کہ اے میرے محبوب کریم رب اسی لمحہ حالتِ نماز میں ہی اپنا چہرہ مبارک پھیر دیں۔ جو نماز کی باقی رکعت ہیں وہ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے ادا فرمائیں۔ مسجدِ فتح اور تمام خمسہ مساجد کی زیارتیں کیں اور نوافل ادا کیے۔ پیر کامل کے ساتھ نورانی دعاؤں میں شامل رہے۔ هذا من فضل ربی

مقامِ اُحد مبارک:

یہاں پر رحمت اللعالمین کے پیارے چچا حضرت سیدنا امیر حمزہؓ کی قبر انور ہے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو ان سے بہت پیار تھا۔ یہاں زیارتِ انور پر حاضری کی نورانی سعادت حاصل کر کے رضائے الٰہی اور رحمت اللعالمین کی رضائے کاملہ نصیب ہوئی۔ یہاں سے آگے مرشد کریم اُحد پہاڑ مبارک کی جانب چلتے گئے۔ کافی دیر تک چلنے کے بعد ایک ایسی جگہ پر پہنچے یہاں پر صرف آدمی بیٹھ سکتا تھا اور وہاں پر یہ نظارہ دیکھا کہ اُس جگہ سر مبارک بنا ہوا تھا۔ جیسے پہاڑ مبارک موم ہو گیا ہو۔ مرشدِ کریم نے فرمایا کہ یہاں پر ایک بار رحمت اللعالمین تشریف لائے اور بیٹھ گئے تو پہاڑ مبارک موم بن گیا اور آپ کے نورانی سر مبارک کی جگہ بن گئی۔

پہلے مرشد کریم نے خود وہاں بیٹھ کر اُس جگہ جس جگہ رحمت اللعالمین نے اپنا سر مبارک رکھا تھا (بحمد اللہ جو آج تک موجود ہے) مرشدِ کریم اپنا سر مبارک اُس جگہ پر رکھا اور دُعا فرمائی۔ اس کے بعد مجھ سمیت تمام ساتھیوں نے اپنے سروں کو اس نورانی مقام پر رکھا۔ وہاں رحمت اللعالمین نے اپنا نورانی سر مبارک رکھا تھا اور پھر دعائیں مانگی۔ یہ مقام اول تو کسی کو معلوم نہیں ہے اور ساتھ حکومت وقت نے یہاں پر زیارت کی پابندی لگائی ہوئی ہے یہ ہماری خوش نصیبی تھی کہ مرشدِ کریم کی توجہ پاک سے یہ نورانی سعادت نصیب ہوئی۔

روضہ اقدس ﷺ پر الوداعی سلام:

وہ لمحات یاد آتے ہیں تو دِل خون کے آنسو روتا ہے کہ کس طرح رحمت اللعالمین کی نورانی بارگاہ سے، روضہ اقدس ﷺ اور مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً وتعظیماً کی نورانی فضاؤں ہواؤں سے جدا ہونے کا وقت آ گیا۔ کاش زندگی بھر کا قیام رحمت اللعالمین کی بارگاہ کریم میں مل جاتا مگر اپنے گریبان کو جھانکتے ہیں تو ندامت سے سر جھک جاتا ہے کہ اُس نورانی مقام پر جس کے متعلق اہل ادب کا نعرہ ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گُم کردہ می آید جنید و با یزید ایں جا

تم زندگی بھر کے قیام کی التجا کرتے ہو وہاں کا ایک ایک لمحہ سالوں کی عبادت سے افضل واعلیٰ ہے۔ بہ ہر حال آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور سسکیوں میں آپ کی کریم بارگاہ سے روانگی ہوئی۔ مرشدِ کریم کی حالت بھی قابلِ دید تھی۔ چھوٹے بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہے تھے۔ اور یہ منظر اُس وقت تک جاری رہا جب تک گنبدِ خضرا مبارک اور مدینہ منورہ زاد اللہ شرفاً وتعظیماً

کے نورانی درودیوار نظر آتے تھے۔ مقام بیرعلی کے مقام پر پہنچ کر جو کہ روضۂ اقدس ﷺ سے ۳۔کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں آ کر مرشدِ کریم سمیت تمام ساتھیوں نے حج مفرد کا احرام باندھا۔غالباً ذوالحج مبارک کی ۳ یا ۴ تاریخ تھی اور مکۃ المکرّمہ کا مبارک سفر شروع ہوا۔

مکۃ المکرّمہ بلدہ امین میں داخلہ:

مکۃ المکرّمہ کے نورانی شہر مبارک میں داخل ہوئے سبحان اللہ کیا نورانی مقام ہے۔ پھر حالتِ احرام میں بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور پہلی نگاہ بیت اللہ شریف پر پڑی تو رقت قلب جاری ہوگئی۔کافی دیر تک یہ حالت رہی۔خوب گڑگڑا کر دُعائیں مانگی۔طوافِ کعبۃ اللہ شریف شروع کیا۔مرشدِ کریم کی نورانی موجودگی میں آسانی سے طواف مکمل ہوا۔ پھر مقام ملتزم کی دیوار مبارک کے قریب دُعائیں مانگی گئیں۔مقامِ ابراہیم پر نفل ادا کیے۔حجرِ اسود مبارک کو بوسہ تو نہ دے سکے۔رش کافی تھا البتہ سلام کرتے رہے۔ پھر اسی حالتِ احرام میں اپنی رہائش گاہ پر گئے۔آرام کیا اور پھر نمازوں کی ادائیگی وعباداتِ الٰہی کے لیے بیت اللہ شریف آتے تھے۔

۸۔ذی الحج مبارک کو مکۃ المکرّمہ سے منٰی شریف کی طرف روانگی تھی۔معلم کی طرف سے بسوں میں سوار ہو کر جانا تھا وہاں پہنچ کر اپنے اپنے خیموں میں قیام پذیر ہوئے۔سبحان اللہ منٰی شریف کے نورانی میدان میں لاکھوں کی تعداد میں خیموں کا سمندر نظر آتا تھا۔منٰی شریف میں صرف پہنچنا ہوتا ہے۔کوئی نمازِ ظہر کے وقت کوئی عصر،کوئی شام تک یہاں پہنچ رہا ہے۔یہ ایک حاجی کا منٰی شریف کی طرف سفر ہے۔

۹۔ذی الحج مبارک میدانِ عرفات میں حاضری حج کا رُکنِ اعظم ہے۔۹۔ذی الحج کی صبح سے حاجی صاحبان نمازِ فجر ادا کرنے کے لیے لبیک لبیک کی صدائیں بلند کرتے ہوئے میدان عرفات کی طرف رواں دواں تھے۔مرشد کریم کی زبان مبارک سے معلوم ہوا کہ جس شخص نے حج کا احرام باندھا اور وہ بیمار ہوگیا یا کوئی اور وجہ ہوئی وہ کسی طریقہ سے بس میں کسی ذریعہ سے ایک لمحہ کے لیے بھی ۹۔ذی الحج کو یہاں اس میدان عرفات سے گذر گیا تو اُس کا رُکنِ اعظم ادا ہو گیا۔باقی قربانی، رَمی جمرات، طوافِ زیارت دوسرا شخص بھی اس کی طرف سے ادا کرسکتا ہے۔ بہ شرطے کہ وہ خود اس قدر بیمار ہو یا بے ہوش ہو کہ یہ ارکان خود نہ ادا کرسکے۔اس حالت میں بھی میدان عرفات کی حاضری کی وجہ سے رُکنِ اعظم حج کا ادا ہو گیا۔ یہاں ۲۔نمازیں ظہر اور عصر اکٹھی ادا کی جاتی ہیں۔کئی حاجی صاحبان مسجدِ نمرہ میں جا کر دھکم پیل میں حج کا خطبہ سنتے ہیں۔ان کے ذہن میں یہ خیال ہوتا ہے کہ خطبہ سننے سے حج کا رُکن ادا ہوگا۔مگر جس طرح پہلے عرض کر چکا ہوں کہ حاجی صاحب کی میدان کی حاضری ہی حج کا رُکنِ اعظم ہے۔

۹۔ذی الحج کو مغرب سے غروبِ آفتاب کے بعد اس میدان مبارک سے واپسی ہو جاتی ہے۔اور رات کا قیام مزدلفہ کے میدان میں ہوتا ہے۔ربِ کریم نے اپنے محبوبِ کریم ﷺ کی امت کے لیے کتنی آسانی پیدا فرمائی ہے کہ آپ مغرب کی نماز اس وقت ادا کریں جب کہ آپ مزدلفہ کے میدان میں آجائیں۔چاہے رات کے ۱۲۔بجے ہوں آپ کی نماز قضا نہ ہوگی بل کہ ادا

ہوگی۔ایک اذان سے پہلے مغرب کی نماز فرض پھر عشاء کے فرض ادا کریں۔پھر بقیہ نمازیں مکمل کریں۔کتب میں موجود ہے اور بزرگانِ دین سے سنا ہے کہ مزدلفہ کی یہ رات لیلتہ القدر کی رات سے زیادہ فضیلت والی ہوتی ہے۔اس لیے خوب گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔

۱۰۔ذی الحجہ کو واپس منٰی شریف والی قیام گاہ میں آنا پڑے گا۔آپ جس وقت بھی یہاں پہنچیں اسی وقت کنکریاں لے کر رَمی جمرات کے لیے جائیں۔آج صرف ایک شیطان کو ۷ کنکریاں مارنی ہیں۔او ہر کنکری مارتے وقت"**بسم اللہ رجماً للشیطان**" پڑھیں۔پھر واپس کیمپ میں آکر قربانی کے لیے قربان گاہ جانا ہوتا ہے۔آج کل تو بہت سہولیات ہیں۔اجتماعی طور پر قربانی کی جاتی ہیں۔رقم پہلے جمع کرانی ہوتی ہے۔اس وقت ۱۹۷۳ء میں خود جانا ہوتا تھا یا دوسرے حاجی کو یہ اختیار دینا ہوتا تا کہ وہ آپ کا نام لے کر آپ کی قربانی کرائے۔قربانی کے بعد آپ کو لازماً سر منڈھوانا ہوتا ہے۔اگر پانی ہو تو غُسل ورنہ وضو کر کے سادہ لباس پہن لیں۔اس دوران خاص طور پر فرض نمازوں کا خوب خیال رکھیں۔ایسے عظیم دن نماز فرض قضا نہ ہو۔

آپ نے قربانی کر لی، سر منڈھو لیا تو کپڑے پہن لیں۔افضل تو یہی ہے کہ آج ہی منٰی شریف سے بیت اللہ شریف طوافِ زیارت کے لیے نکل جائیں۔اگر کوئی مجبوری یا بہت زیادہ تھکاوٹ ہو تو دوسرے دن بھی جا سکتے ہیں مگر ثواب زیادہ اس میں ہے کہ آپ اسی دن طوافِ زیارت کے لیے بیت اللہ شریف جائیں۔یہ بھی خیال رہے کہ طوافِ زیارت کرنے کے بعد بیت اللہ شریف یا مکتہ المکرّمہ اپنی رہائش پر قیام نہیں کرنا بلکہ منٰی شریف جانا ہوگا وہاں اپنی رہائش گاہ مکتہ المکرّمہ پر کچھ دیر پہنچ جائیں تو حرج نہیں مگر شب باشی منٰی شریف میں ہی کرنی ہوگی۔

[جاری ہے-----]

☆☆☆☆

ذخیرۂ نوادر

محمد ساجد نظامی

کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈیؒ کے تعارف کے حوالے سے راقم کی ایک تحریر''قندیل سلیماں'' شمارہ ۱۱ میں شائع ہو چکی ہے۔اس ذخیرۂ کتب میں جہاں مطبوعات کی ایک بڑی تعداد موجود ہے وہاں مخطوطات کا بھی ایک علمی ذخیرہ محفوظ ہے۔ مطبوعات کی فہرست مرتب کی جا رہی ہے جو ان شاء اللہ دسمبر ۱۸ تک شائع ہو جائے گی۔مخطوطات پر اب تک جناب نذر صابریؒ کی مرتب کردہ ''مختصر فہرستِ مخطوطات فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی'' (جس میں ۲۳۴ مخطوطات کو شامل کیا گیا) کے علاوہ ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد کی مرتب کردہ فہرست ''کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی دے پنجابی خطی نسخے'' (جس میں ۲۷ پنجابی نسخے شامل ہیں) شائع ہو چکی ہیں۔

شمارہ ۱۷ سے ''ذخیرۂ نوادر'' کے عنوان سے مخطوطات کی فہرست شامل کی جا رہی ہے۔یہ سلسلہ قسط وار شائع ہوگا۔ بعد ازاں اسے یکجا کر کے اشاعت آشنا کیا جائے گا۔

۱۔ تفسیر بیضاوی (سورۃ المائدہ الیٰ سورۃ مریم)

عدد مسلسل: ۳۶۳۵

مصنف: عبداللہ بن عمر بن علی معروف بہ قاضی بیضاوی

کاتب: محمد رضا بن نظام الدین محمد سمرقندی

مقام کتابت: سمرقند (بلدۃ المحفوظۃ)

سنہ کتابت: یوم الجمعہ ۹ ذی الحجہ ۱۲۰۰ھ

زبان: عربی

سطر فی صفحہ: ۲۳

صفحات: ۴۰۱

تقطیع: ۲۰×۱۰ س م / ۲۸×۲۰ س م

آغاز:

وعملہ رحمۃ منہ لا قضا الحق واجب و فضل احسان زاید علیہ و یھدیھم الیہ وقبل الی الموعود صراطا مستقیما ھو الا سلام و الطاعۃ و طریق الجنۃ فی الاخرۃ یستفتونک ای فی الکلالۃ

حُذف لا لہ الجواب علیہ روی ان جابر بن عبداللہ کان مریضاً فعاد رسول اللہ فقالا فی کلالۃ فکیف اضع فی مالی فنزلت وھی آخر مانزل فی الاحکام.

انجام:

ولا یشرک بعبادۃ ربہ احد ا بان یرا ئِیَۃ وَیَطْلُبَ منہ احدا رُوی اَنّ جُنْدَبَ بن زھیر قال الرسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم ان لا عمل اللہ فاذا اِطلع علیہ [در عملِ ریا بکند] احد سرنی فقال ان اللہ لا یقبل ما شورک فیہ فنزلت تصدیقاً لہ و حصرت عنہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقو الشرک الا صغر فقالو وما یشرک الا صغر قال الریاء ،والا تہ جَامعۃ الخلا العلم والعمل ومما التوحید والاخلاص فی الطاعۃ وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من قراء با عند مضجعہ یتیلاء" لا ء والی مکہ حشوذالک ا لنور ملا ئکہ یصلون علیہ حتی یقوم فان کان مضجعہ عکۃ کان لہ نوراً لامن مضجعہ الی البیت المعمور حشوذ الک النور ملائکۃُ یصلون علیہ حتی یستقیظ وعنہ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قرأ سورۃ الکھف من آخر ھا [ازاوّل تا آخر] کانت لہ نوراً من قرنہ الی قدمہ[ازسرتاقدم] ومن قراھا کلھا کانت لہ نوراً.

ترقیمہ:

قد وقع الفراغ من کتابۃ النصف الاول من کتاب تفسر[تفسیر] قاضی المحقق والخبہ المدقق ناصرالدین البیضاوی رفع اللہ درجاتہ فی الاخرت فی بلدۃ المحفوظۃ سمر قند حسنت عزالا فات تمت علی ید عبدالضعیف الخیف اقل العباد محمد رضا بن نظام الدین محمد سمرقندی ضیحوۃ یوم الجمعۃ تسعتہ شھرِ ذی الحجّہ سنہ اثنی والف الھم اغفرلکاتبہ ولصاحبہ والجمع من نظرفیہ یارب العالمین ..

کیفیت:

نسخ ونستعلیق کا امتزاج۔متنِ قرآن کے لیے سرخ رُوشنائی استعمال کی گئی۔باقی عبارت سیاہ روشنائی سے لکھی گئی۔حاشیہ میں رکوع کی علامت کے لیے "ع" سرخ رُوشنائی سے لکھا گیا۔متن کے باہر۴ لائنوں کا باڈر لگایا گیا۔جن میں پہلی اور دوسری لائن کے درمیان سنہری رنگ بھرا گیا۔حاشیہ کا بھی اہتمام کیا گیا۔عربی وفارسی ہردوزبانوں میں۔سطور کے اوپر یا نیچے یک لفظی یا دولفظی جملے وضاحت کے لیے لکھے گئے اور جہاں تفصیل کی ضرورت تھی۔وضاحت کی گئی۔بارڈر کے باہر بھی حسبِ ضرورت حاشیہ لگایا گیا۔آخر میں دومہریں۔"مرزاعلی" کی اور ایک مہر"مفتی محمدامین"[۱۲۰۲] کی لگائی گئی ہیں۔"مفتی محمد امین" کی مہر کے نیچے یہ عبارت لکھی گئی ہے۔"کان فی ۱۳۲۶ھ عندخادم الحجاج والزوارالشیخ اعجازحسن البرایونی اصلاوموطناوالرا مفوری حالاومسکناتجاوزاللہ عن سیاتیہ کتبہ اعجازحسن بقلم"۔ابتدامیں عبدالرحمن کا نام درج ہے۔بمقام خاص نوشہرہ۔ڈاکخانہ پنڈی گھیب۔بقلم خودعبدالرحمن من الارض الی السماءواللہ اعلم واحکم۔

تبصرہ:

عبداللہ بن عمر بن علی، ابوالخیر اور ناصر الدین لقب، قاضی بیضاوی کے نام سے معروف ہوئے۔ مورخین نے ۵۸۵ھ ولادت لکھی۔ شیراز کے قریبی شہر بیضا میں پیدا ہوئے۔ تفسیر بیضاوی کا اصل نام "انوار التنزیل واسرار التاویل فی التفسیر" ہے۔ لیکن زیادہ شہرت اول الذکر نام کے حصہ میں آئی۔ مصنف تفسیر ہذا کے علاوہ دیگر کتب بھی تصنیف کیں ہیں۔ وفات تبریز کے مقام پر ۶۸۵ھ میں ہوئی۔ بعض نے سال وصال ۶۹۲ھ لکھا۔ تفسیر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ تبریز کے مقام پر مکمل ہوئی۔ مختلف مقام سے شائع ہو چکی ہے۔ مفسر نے لغتِ عربی اور اہلِ سنت کے عقائد کے مطابق تفسیر وتاویل کو جمع کیا ہے۔ اس میں روایت و درایت دونوں کا منہج اختیار کیا گیا ہے۔ علامہ بیضاوی نے اس میں علامہ زمخشری کی تفسیر "کشاف" کی تلخیص کرنے کی کوشش کی ہے لیکن معتزلہ عقائد کی سخت مخالفت کی ہے۔ مسلک شافعی کی پیروی کرتے ہوئے دیگر آئمہ کا رد کیا ہے خصوصاً احناف کا۔

۲۔ تفسیر البیضاوی۔۔۔۔۔[سورۃ فاتحہ تا سورۃ اعراف۔ آیت ۲۰۰]

عدد مسلسل: ۳۵۹۶

مصنف: عبداللہ بن عمر بن علی معروف بہ قاضی بیضاوی

سنہ کتابت: ؟

زبان: عربی

سطر: ۲۵/۲۴

صفحات: ۴۰۶

تقطیع: ۱/۲ ۲۲ × ۱/۲ ۱۰ س م / ۱/۲ ۲۷×۱۶ س م

آغاز:

من عظماء الصحا تبرد وعلماء التابعين ومن دونهم من السف الصالحين وينطوى على حكمت بارعة الطائيف را يعة استنبطتها انا ومن قبله من افاضل المتاخرين واما ثل المحقيقين و يُعرّب عن وجوه القرأتِ المشهورة المعزية من الا ئمة الثمانيه المشهورين والشواذ المروتير عن المعتبرين الا ان قصور بضاعتے ...

انجام:

واما ينزعنک من الشيطان نزع مسيحنک منه نخس ای....تحملک علی خوف ما اس ت

يدكا عتراً غضب و فكرة والنزغ النسغ ولنختا..وسوسته للناس اعزاء لهم على المعاصيے واز عاجا بعزز السائق...بالله انه سميع يسمع استفاذ نک عليهم يعلم مافيه صلاح امرک فيه...او سميع باقوال من آذاک عليهم با فعاله فيجازيه عليهما مغنيا اياک عن الشيطان ..

کیفیت:

ناقص اوّل و آخر۔ترقیمہ اور کاتب کا ذکرنہیں ۔حاشیہ جلد بندی کی نظر ہوا۔کہیں کہیں حاشیہ کی عبارت ضائع ہوئی۔پہلے ۱۸ صفحات سیاہ روشنائی سے لکھے گئے ہیں۔ان میں جہاں قرآنی آیت لکھی گئی وہاں اوپر لکیر کھینچ دی گئی ہے۔۱۸ صفحات کے بعد باقی صفحات میں کاتب مختلف ہیں۔یہاں قرآنی آیت کو سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے اور کہیں کہیں سُرخ لکیر اوپر یا نیچے کھینچی گئی ہے۔

۳۔ سلسبیل شریف [عکسی] (سورۃ فاتحہ تا سورۃ المرسلات)

مصنف: حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی

کاتب: عبدالتواب الملتانی

مقام کتابت: ملتان؟

سنہ کتابت: جمعرات ۶ ذی القعدہ ۱۳۰۷ھ

زبان: عربی

سطر فی صفحہ: ۱۹

صفحات: ۲۰۳

تقطیع: ۸ × ۱۶ س م ۱/۲ ۱۴ × ۲۱ س م

آغاز:

بـا سـمـک مـصـلـيـا و مـسـلـمـا عـلـى رسولک والـه واصحابـه.بسم الله الرحمن الرحيم سورةالفاتحه مكية وهى سبع اٰياتٍ.

بسم الله الرحمن الرحيم ابتداء اواقراء مالک يوم الدين مالک الا مور فيه انعمت بالاسلام غير المغفوب عليهم اليهودو الالضالين النصارىٰ امين اسم فعل اى استجب وليس من القرآن.

انجام:

فَكِيْدُوْنَ تهد يه على كيد هم فى الدنيا فِیْ ظِلاَلٍ دَائمون فيها كُلُوْ ا اى يقال لهم المحسنين فى

الا عتقـاد والعمل كلوا وَتَمَتَّعُوْ ا مستانف خو طلب به المكذ بون قليلاً فی الدنیا انکم علة لتمتعو ا واذا قیل فی الد نیا ارکعو اصلو بعده بعد القرآن .

ترقیمہ:

الی هنـا وجـد التفسـر ولـعله لم للمضف اتمامه لد رک موتِ اولغیره والله اعلم نقله الفقیر القـفیـر الـی الله الـغنی... المسکین عبدالتواب الملتانی کان اللہ ولد الد یه رحیما وکان ذا لک یوم الـخـمیـس سـا دس ذی القعد ة لکرام من سنه سبع وثلا ثمائنه بعد الا لف من هجرة من خلق علی اکمل خـلـق و احسـن وصفِ الهـم ارحـم کا تبه و عا فه واعف عنه و عنه اقاریه. کتب ویقی کل ما قد کتبة فیا لیت من یقرء کتابی دعالیا دیرحیم عبداً قال آیت

لعل الهی ان یمن بفضله ویر حم اقوالی وسو ء فعالیا

کیفیت:

تفسیر سلسبیل انتہائی اختصار کے ساتھ لکھی گئی ہے۔اب تک مطبوعہ صورت میں سامنے نہیں آئی۔کہیں کہیں مختصر حاشیہ موجود ہے۔

تبصرہ:

سلسبیل تفسیر جلالین کی طرز پر لکھی گئی۔ایک خطی نسخہ کتب خانہ سلیمانی،تونسہ مقدسہ میں موجود تھا۔پروفیسر شفقت اللہ نے پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری اسی موضوع پر حاصل کی۔

۴۔ الیاقوت[عکسی]

مصنف:حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی

کاتب:محمد بن نور محمد

مقام کتابت:؟

سنہ کتابت:یوم الجمعہ بعد الزوال شہر رجب ۱۳۲۰ھ

زبان:عربی

سطر فی صفحہ:۱۶

صفحات:۱۶

تقطیع: ۸ × ۱۶ س م / ۱۷ × ۲۱ س م

آغاز:

علـم اسطـو غـريـاس اى تـد بيـر الـمنزل وهو فى فصول فصل فى المسكين يختار الحصين الـوسيع على حسب الحاجه فى جوار الصالحين ولا يزخرفه فان قليل يد عو ا الى كثيره ويلم جرا ورفع ابو داؤد اذا راداليه بعرشر ا اهلک ماله فى الماء والطين ورفع البيقهى من بنى بناءً فوق مايكفيه كلف يوم القيامه....

انجام:

وعن ابن عباسؓ قال قال رسول الله صلى الله وعليه وسلم من لزم الا ستغفار جعل الله له من كل فسق فجرحادمن كل هم فرجا ورزق ...من حيث لا يحتسب رواه احمد وابوداؤد ابنِ ماجه وهذا دعاء خليـل ...حكـاه الا مـام الـمـحـدث مجدالدين فى السفرعن حديث المرفوع تحصنت بالذ.. على الا هـواالـحى الـقيـوم بـد لـه والـه كـلشئى واعتصمت هو ربى ورب كلشئى ..على الحى الذى لا يموت واستـدفـعـت الشيـر ولا حـول ولا قـوة الّا بالله .حسبنا الله ونعم الوكيل حسبى الرب من العباد حسبى الـخـاق مـن الـمـخلوق حسب...ق من المزروق حسبى الذى هو حسبى حسبى الذى بيده الملكوت وهـو بـحيـرو..عـليـه.حسبـى الله زكـفـى سـمـع الله لـمن دعا ليـس وراء ايه مرجى حسبى الله لا اله الا هوتوكلت وهو رب العرش العظيم.

ترقیمہ:

ولختم الكتاب على هذا المختم المستطاب وانا ارحمه حطيم الجليل ان يتقبله كصيح محمد بـن اسـمـاعيل فقد كمل فى الساعة الشريفه تبت فى الروايات الحنيفه وهى ما بعد الزوال بيوم الجمعه فـى الشهـرِ رجـب بـعـد الـقضاء الف ثلث وعشرين عاما من اللهجرة النبوية صلى الله عليه وسلم الهم يا مـقـلـب الـقـلوب ثبت قلب كاتب هذا الكتاب على دينک يومهم و نحجهک المستقيم وزين فى قلبه الايـمـان والا يـقـان وكـره اليـه الـكـفرو الفسوق والعصيان يرحمک ياارحم الراحمين تمت تمام شد كارِمن نظام شد شيطان من غلام شد .احقر عباد الا حد محمد بن نور محمد عفا عنهاالرب الصمد .

کیفیت:

ہر علم پر بات کرنے سے پہلے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کا اہتمام کیا ہے۔کہیں کہیں فارسی میں حاشیہ ہے۔احادیث نبوی سے بھی استدلال کیا ہے۔مختلف علوم کے تعارفیہ پر مشتمل نادرونایاب کتاب ہے۔علوم کے عنوانات درج ذیل ہیں۔

☆علم اسطوغریاس ☆۔علم السیاستہ المدینہ ☆۔فی علوم الحکمۃ النایوسۃ

☆۔علم الکلام
☆۔علم علوم القرآن
☆۔علم التفسیر
☆۔علم القرأۃ
☆۔علم رسم الخط
☆۔علم الحدیث
☆۔علم اصول ا لفقہ
☆علم الفقہ
☆علم سبع الکیان
☆۔علم السماء
☆علم النبات
☆۔علم الحیوان
☆۔علم الانسان
☆۔علم التعبیر
☆۔علم الفراستہ
☆۔علم الطب
☆۔علم النفس
☆۔علم الوہم
☆۔علم الزجر
☆۔علم الکیمیا
☆۔علم الھیمیا
☆۔علم السیمیا
☆۔علم الریمیا
☆۔علم الکہانتہ
☆۔علم السحر
☆۔علم الاکتاب
☆۔علم الاختلاج
☆۔علم الطیر ۃ
☆۔علم البز ورۃ
☆۔علم الصناعات
☆۔علم الفلاحتہ
☆۔علم الزیج
☆۔علم سونطاکسیس
☆۔علم تسطیح الکرۃ
☆۔علم العمل بالاسطرلاب
☆۔ علم الکرۃ المصورۃ
☆۔علم احکام النجوم
☆۔علم نجوم الہند
☆۔علم الانوأ
☆۔علم الرمل
☆۔علم الوفق
☆۔علم المناظر
☆۔علم المرایاالمحرقتہ
☆۔علم الخط
☆۔علم الحروف
☆۔علم فرسطون ای المیز ان (علم الاوزان والموازین)
☆۔علم الفلسفتہ الاولیٰ
☆۔علم اثولوجیا۔
☆۔علم النبوۃ والوحی والمعجز ات والکرامات
☆۔علم المعرفتہ
☆۔علم الامامتہ
☆۔علم المعاد
☆۔علم حکمتہ الاشراق
☆۔علم الدعوات

تبصرہ:

علوم قدیمہ وجدیدہ پر تعارفیہ ہے۔ محمد شریف سیالوی نے ۱۹۹۴ء میں اس پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ایک جلد قلمی صورت میں سردار محمد افضل ڈیروی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

۵۔ تمیز شریف [عکسی]

مصنف: علامہ عبدالعزیز پرہاروی

کاتب: احمد بن مولوی خدا بخش المعروف بہ جراح

مقام کتابت: تونسہ مقدسہ

سنہ کتابت: محرم الحرام ۱۳۴۹ھ

زبان: عربی

سطر فی صفحہ: ۱۵

صفحات: ۱۳۴

تقطیع: ۱۵× ۱/۲ ۷ س م / ۱۲ × ۲۰ س م

آغاز:

اعتصمت بالرسول والقرآن. وتبرات عن سوا یة الیونان .واشهد ان لا الاالله. وان الصادق المصدق رسوله ومصطفاه. صلی الله علیه وعلی اله النجباء واصحابه العلماء الحکماء العرفاء وبعدفان الحق سبحانه امرنا ان نتبع النوالیس. لا مانیب انی بطلیموس ورمطالس ود یفراطلیس .ثم ابتلانا بعلومهم والعصمة عنها بیدیه ،لیعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیه.

انجام:

قال المؤلف عبدالعزیز بن احمد قدانتهی الکتاب فی الضمن من یوم الخمیس العشرین من ربیع الثانی سنة ثلث و ثلثین وما ئتین والف من الهجرة فی محروسة پرهار جعلها الله تعالیٰ دار القرار وهی قریة علی الساحل الشرقی من نهر مهران سندعلی نحوثما نیة فرا سخ من دار الا مان ملتان فی الجهة الغر بیه ما ئته الی الشمال والحمدلله رب العالمین والصلوٰة علی رسوله محمد واٰله واصحابه ' واجمعین.

ترقیمہ:

تمت من ید راجی الی الله لعصمد الدعوبه احمد بن. . .مولوی خدا بخش غفرالله له ولنا المعروف به جراح فی بلدة تونسه الواقعه علی شط الغربی من نهر مهران السند علی فرسخین ومن بلدة دیره غازیخان الی الشمال علی خمسة واربعین میل فی الظهر یوم الاحد اربع و عشرین من محرم الحرام سنة تسع واربعین و ثلث مائة بعد الف من الهجرة علی صاحبا افضل التحیة منقوله من النسحة التی مرقومه من یدا لمصنف رحمه الله تعالیٰ وعفا الله عنها وعنه.

کیفیت:

:خطِ نستعلیق میں لکھا گیا یہ نسخہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ کہیں کہیں حاشیہ کا اہتمام کیا گیا ہے۔

تبصرہ:

فلسفہ کے موضوع پر یہ رسالہ لکھا گیا۔اس میں فلسفہ یونان کا رد کیا گیا ہے۔

۶۔ مرام الکلام فی عقائدِ اسلام [عکسی]

مصنف: حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی

کاتب: قادر بخش بن احمد

مقام کتابت: نامعلوم

سنہ کتابت: نامعلوم

زبان: عربی

سطر فی صفحہ: ۱۹

صفحات: ۸۰

تقطیع: ۹ × ۱/۲ ۱۷ س م / ۱۶ × ۶۱ س م

آغاز:

حمدا لمن ارشد نا الی مذهب الشر عة السيوية اسا ليها و شكر المن ابعد ناغن ..بدعة سينه وغرابيهاعظمت ..يحصا ابدو عت الا و فلا نيهاعدد....

انجام:

وانما اكتف النبى صلى الله عليه وسلم ...فاذقها لان القران ما مانزلت ببرائتها فلم يكذب...الكتاب المجيد...بطها رتها ...

ترقیمہ :

تمت نسخه مرام الكلام من تصنيف مولانا مولوى عبدالعزيزالپرهاروى قدس سره العزيز من يد فقير حقير ضعيف ...قادر بخش ابن احمد عفرالله لهما ولا خوانهى فى الدارين خير اجز الٰهى الله خير الجزا...

کیفیت:

خطِ نسخ میں لکھا ہوا یہ نسخہ جس کے بعض لفظ ناخواندہ ہیں۔حاشیہ کا کہیں کہیں اہتمام نظر آتا ہے۔

تبصرہ:

عقائدِ اہلِ سنت پر لکھی گئی کتاب ہے۔ ایک خطی نسخہ دیال سنگھ لائبریری، لاہور میں موجود ہے۔ فاروقی کتب خانہ ملتان سے شائع ہو چکی ہے۔

[جاری ہے-----]

☆☆☆☆☆

حوالہ جات

۱۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، ''کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی دے پنجابی خطی نسخے''، پنجابی ادبی سنگت، اٹک، دسمبر ۲۰۱۶ء

۲۔ متین کاشمیری، ''علامہ عبدالعزیز پرہاروی۔ احوال و آثار'' (حصہ اول و دوم)، بہارِ اسلام پبلی کیشنز، لاہور، نومبر ۲۰۱۳ء

۳۔ محمد اسحاق، حافظ، ''انوار التنزیل واسرار التاویل میں امام بیضاوی کا منہج تفسیر''، مشمولہ ''معارفِ اسلامی'' اسلام آباد، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، جلد ۱۴، شمارہ ۱، جنوری تا جون ۲۰۱۵ء

۴۔ نذر صابری، ''مختصر فہرست مخطوطات فارسی کتب خانہ مولانا محمد علی مکھڈی''، مجلس نوادرات علمیہ اٹک، کیمبلپور [اٹک]، ۱۳۹۳ھ

☆☆☆☆☆

ومن یتوکل علی اللہ فهو حسبه

بالتفسیر البیضاوی

من

سورة المائدة الی سورة المریم

قد تمت علی ید محمد رضا ابن نظام الدین

تفسیر بیضاوی کے سرِ ورق کا عکسِ جمیل

[illegible] وقالوا ان كنا بكم ومن يؤتى الحكم نفعا دق خير [illegible] وما [illegible]

مثلكم لا ادعى الاحاطة [illegible]

[illegible] فمن كان يرجو لقاء ربه فليعمل عملا صالحا [illegible]

[illegible] او يطلب منه اجرا [illegible]

[illegible] فاذا اطلع عليه احد سر به فقال ان الله لا يقبل ما شورك فيه فنزلت تصديقا له [illegible]

[illegible] صلى الله عليه وسلم اتقوا الشرك الاصغر قالوا وما الشرك الاصغر قال الرياء والآية جامعة

[illegible] التوحيد والاخلاص فى الطاعة وعن النبى صلى الله عليه وسلم من قرأها عند

مضجعه كان له نورا يتلألأ الى مكة حشو ذلك النور ملائكة يصلون عليه حتى يقوم فان كان مضجعه بمكة كان

له نورا يتلألأ من مضجعه الى البيت المعمور حشو ذلك النور ملائكة يصلون عليه حتى يستيقظ

وعنه صلى الله عليه وسلم من قرأ سورة الكهف من آخرها كانت له نورا من قرنه الى قدمه ومن

قرأها كلها كانت له نورا من الارض الى السماء والله اعلم واحكم

قد وقع الفراغ من كتابة النصف الاول من كتاب تفسير قاضى

المحقق والحبر المدقق ناصر الدين البيضاوى رفع الله

درجاته فى الآخرة فى بلدة المحفوظة سمرقند صينت

عن الآفات تحت على يد عبد الضعيف النحيف

اقل العباد محمد رضا بن نظام الدين محمد سمرقندى

ضحوة يوم الجمعة تسعة شهر ذى الحجة

سنه اثنى والف اللهم

اغفر لكاتبه ولصاحبه

ولجميع من نظر فيه

يا رب العالمين

كان فى سنه ۱۳۲۶ عند خادم الحجاج والزوار

الشيخ احمى محمد البدايونى اصلا ومولدا

والرامفورى حالا ومسكنا

تجاوز الله عن سيئاته

كتبه اعجاز حسن بقلمه

ترقیمہ۔۔ تفسیر بیضاوی

باسمك مصليا ومسلما على رسولك وآله وصحابه

بسم الله الرحمن الرحيم

سورة الفاتحة مكية وهي سبع آيات

بسم الله الرحمن الرحيم ابتدء او اقرء مالك يوم الدين مالك الامور

فيه انعمت بالاسلام غير المغضوب عليهم اليهود ولا الضالين النصارى

اسم فعل اي استجب ليس من القرآن بسم الله الرحمن الرحيم

الم الله اعلم بمعنى مقطعات الفواتح ذلك الكتاب القرآن او السورة

لا ريب فيه خبر هدى خبر ثان او حال الذين كفروا اى من سبق القضاء

بعد ايمانه من يقول هم المنافقون الا انفسهم لانه سبب عذابهم شيئا

كبر الكفرة مثلهم اي المنافقون كقوم اوقدوا في الظلمة فانطفا نارهم

لانهم تكلموا بالايمان واضاعوه بالنفاق او كصيب كمطر اي كقوم اخذهم

مطر وظلمة ومخاوف وضل سبيلهم فيحتاجون الى البرق وهو يكاد يخطف

نور ابصارهم فصاروا مترددين خائفين والمنافقون في ظلمة الضلال

متحيرون خائفون من المسلمين شهداءكم الهتكم للاعانتهم ولن

تفعلوا معترضة فاتقوا الظهور الحجة الحجارة الاصنام او الكبريت او

مطلقا منها اي الجنات ومن الاولى للابتداء والثانية بيان الرزق من

قبل في الدنيا متشابها شكلا لا طعما والحكمة ان الطبع الى المالوف اميل

لا يستحي رد لليهود قالوا كيف ذكر الله سبحانه الذباب والعنكبوت

مع

سلسبیل (تفسیرِ قرآن) مصنفہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی کے پہلے صفحے کا عکس

رب يسر بسم الله الرحمن الرحيم وتمم

الحمد لمن بعث بالرسول القرآن وتبرأ من هواجس اليونان واشهد
ان لا اله الا الله وان الصادق المصدق رسوله المصطفى صلى الله عليه وسلم
اكمل الانبياء واصحابه العلماء الحكماء العرفاء اما بعد فان من شيمة الاذهان ان
تتبع الوساوس لا سيما اباطيل بطليموس وارسطاطاليس وذيمقراطيس ثم
ابتلاء بهلواتهم والعصمة عنها بيد من يعلم من يتبع الرسول ممن ينقلب على
عقبيه نحمده على ان ارشد السنة بهداه وما كنا لنهتدي لولا ان هدانا الله
وقد ضل كثير عن النهج القويم واتبع سبل الشيطان الرجيم فمن الملاحدة من
تمسك باصول الفلسفة ويقدح بمباني القرآن الحكيم والسنة النبوية و
حكماء الاسلام على تاويل النصوص تسلا الى باطلهم من الحق المنصوص و
عارضهم المتعصبون من علماء المسلمين فانكروا الحق من مسائلهم مما ثبت بالبراهين
فالفت هذه الرسالة ردا على اولي الالحاد وتمييزا لخطاء الفلسفة من صوابها
بالانتقاد ولذا سميتها التمييز وانا المعتصم بالله عبد العزيز دي

التمیز ---- مصنفہ علامہ عبدالعزیز پرہاروی کے پہلے صفحے کا عکس جمیل

پیغامِ اقبال

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال

وہی میری کم نصیبی وہی تیری بے نیازی
مرے کام کچھ نہ آیا یہ کمالِ نَے نوازی

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے، یہ مکاں کہ لامکاں ہے؟
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی

اسی کشمکش میں گزریں مری زندگی کی راتیں
کبھی سوز و سازِ رومؔی کبھی پیچ و تابِ رازیؔ

وہ فریب خوردہ شاہیں کہ پلا ہو کرگسوں میں
اُسے کیا خبر کہ کیا ہے رہ و رسمِ شاہبازی

نہ زباں کوئی غزل کی نہ زباں سے باخبر میں
کوئی دِل کُشا صدا ہو، عجمی ہو کہ یا تازی

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

کوئی کارواں سے ٹوٹا، کوئی بدگماں حرم سے
کہ امیرِ کارواں میں نہیں خوئے دِل نوازی

☆☆☆☆☆

NIZAMIA DAR-UL-ISHA'AT KHANQAH-E-MO'ALLA
HAZRAT MOLANA MUHAMMAD ALI MAKHADI (R.A).
MAKHAD SHAREEF (ATTOCK)